شعر العجم

از

شبلی نعمانی

Checked 1987

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
فارسی شاعری کا دور آخر،	۱
تیموری دور میں شاعری،	۴
اس دور کی خصوصیتیں،	۱۹
غنائی شیرازی	۲۷
فیضی	۳۱
فیضی کا خاندان اور ولادت،	۳۳
دشمنوں کی مخالفت،	۳۴
اکبر کے دربار میں رسائی،	۳۸
ملک الشعرائی کا خطاب،	۴۳
دکن کی سفارت،	۴۴
وفات	۴۷
عام حالات اور اخلاق و عادات	۴۸
فیضی کا مذہب،	۵۴
تصنیفات،	۶۲
شاعری،	۷۰

مضمون	صفحہ
عرفی	۸۲
ابوالفتح کے دربار میں رسائی،	۸۵
خانخانان اور عرفی،	۸۶
جہانگیر کے دربار میں رسائی،	۸۹
وفات	۹۱
اخلاق و عادات،	۹۲
تصنیفات،	۹۵
دیوان کی ترتیب،	۹۷
کلام پر رائے،	۹۸
نظیری کی نکتہ چینی عرفی پر،	۱۰۰
عرفی کی نسبت فیضی کی رائے،	۱۰۱
عرفی کی شاعری کی خصوصیات،	۱۰۲
عشقیہ شاعری اور عرفی،	۱۱۷
فلسفہ،	۱۲۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نظیری		اخلاق وعادات،	۱۸۱
عام حالات وعادات،	۱۴۴	شاعری،	۱۸۶
نظیری کی خصوصیات،	۱۴۵	**میرزا صائب**	۱۸۹
پہلی خصوصیت،	″	ہندوستان مین آنا،	۱۹۱
دوسری خصوصیت،	۱۴۷	مرزا صائب اور ظفر خان،	۱۹۲
تیسری خصوصیت،	۱۴۹	ایران کو واپس جانا،	۱۹۴
چوتھی خصوصیت،	۱۵۴	عام حالات وعادات،	۱۹۵
پانچوین خصوصیت،	۱۵۵	میرزا صائب کی بیاض،	۲۰۰
چھٹی خصوصیت،	۱۵۸	کلام پر رائے،	۲۰۳
ساتوین خصوصیت،	۱۶۱	**ابوطالب کلیم**	۲۰۵
آٹھوین خصوصیت،	۱۶۴	عام حالات،	۲۰۸
طالب آملی	۱۶۵	شاعری،	۲۱۰
ہندوستان مین آنا،	۱۶۸	قصائد،	۲۱۳
عبداللہ خان کا طلب کرنا،	۱۷۲	غزل،	۲۱۷
جہانگیر کے دربار مین رسائی،	۱۷۵	قوت تخیل،	۲۲۲
اعزہ واولاد،	۱۷۹	روزمرہ محاورہ	۲۲۷

ایرانی شاعری
کا
دور آخر

ایران مین تیموری خاندان کا اخیر فرمان روا، سلطان حسین میرزا تھا اسکے آخری زمانے مین سلطنت **صفویہ** کا آغاز ہوا جس کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ شیخ صفی الدین آردبیلی، ایک مشہور خاندان سادات کے سجادہ نشین تھے، ان کی اولاد مین سلطان حیدا ایک بزرگ پیدا ہوئے جنکے مرید قرمزی رنگ کی بارہ گوشے کی ٹوپی پہنتے تھے اور اس مناسبت سے قزلباس کہلاتے تھی جسکا لفظی ترجمہ سرخ سر ہے وہ ایک معرکہ مین شہید ہوے، ان کے صاحبزادے شاہ اسمٰعیل نے محرم ۹۰۵ھ ہجری مین ستر آدمیونکے ساتھ آذربائیجان پر چڑھائی کی اور رفتہ رفتہ اپنی جماعت اس قدر بڑہائی کہ شروان پر حملہ آور ہوکر وہان کے

فرمان روا کو شکست دی، انھون نے ۲۵ برس کی مدت مین ایک وسیع سلطنت قائم کرلی اور حکومت **صفویہ** کی بنیاد ڈالی، سنہ ۹۳۰ھ ہجری مین ان کا انتقال ہوگیا،

ان کے بعد ان کے بیٹے **طہماسپ** نے سلطنت کو اور زیادہ ترقی دی چنانچہ فوج کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تک پہونچائی اور دور دور تک کے صوبہ فتح کرلیے، ۵۵ برس حکومت کرکے سنہ ۹۸۴ھ ہجری مین وفات پائی، ان کے بعد اُن کا بیٹا اسمعیل مرزا اور پھر اسکے بعد اسکا بیٹا شاہ **عباس** سنہ ۹۹۵ھ ہجری مین فرمان روا ہوا، شاہ عباس وسعت حکومت اور انتظامات ملکی مین دوسرا **اکبر** یا شاہجہان تھا، اسنے ایران کو اس سرے سے اُس سرے تک زیر نگین کیا، اُزبکون سے خراسان چھینا، آرمینیہ پر فتح حاصل کی، عراق عرب کو مسخر کیا، ترکون سے برابر کی صلح کی، غرض خراسان سے لیکر عراق تک اس کی حدود حکومت مین آگیا، اسنے ملک کی امن وامان آبادی اور سرسبزی کے لیے جو جو کام کیے، ہندوستان کا تیموری خاندان بھی نہ کرسکا، ملک مین اس سرے سے اُس سرے تک کاروان سرائین بنوائین، جن مین مسافرون کے لیے سلطنت کی طرف سے تمام چیزین مہیا رہتی تھین، والہ داغستانی اپنے تذکرہ مین لکھتا ہے،

جمیع عمارات معظمہ ایران بنا کردہ آن شہریار است، چندین شہر در مازندران و خراسان و عراق و آذربائجان ساختہ است، خصوصاً اصفہان را کہ رشک جنان نمودہ، قانونے بجہت مہمانداری مسافران بحر و بر بستہ بود کہ در جمیع مراحل و منازل از یک ہزار و از ہزار تا دہ ہزار از غریب و تونگر از رعیت و سپاہ کہ ادنیٰ و غریب ہر کس و ہر قدر بودند، در کاروان سراہا کہ ساختہ است ہرگاہ وارد می شدند

ہمان لحظہ مایحتاج حتی بستر و فراش درخور ہر کس ملازمان شاہی کہ باین کار گماشتہ بودند، حاضر می کردند و ظروف در کمال تکلف از چینی و غوری وغیرہ در ہر منزل و مکان آن قدر بودہ کہ ہمہ مسافران را کفایت ہمی کرد و باز بہ تحویلداران مکان سپردہ می شد و این امر بیشتر از عراق تا ماژندران بودہ و در اطراف و بلاد دیگر نیز رواج داشتہ لیکن نہ باین افراط،

شاہ **عباس** نے ۴۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۰۳۸ھ ہجری مین وفات پائی اس کے بعد شاہ صفی اور اسکے بعد شاہ عباس ثانی تخت نشین ہوا اور ۱۰۷۷ھ ہجری مین وفات پائی۔

اس خاندان نے اگرچہ سُنّی مذہب کو نہایت ظلم اور بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ ایران سے معدوم کر دیا، یعنی جو لوگ شیعہ مذہب قبول نہ کرتے تھے وہ قتل کر دیے جاتے تھے، چنانچہ ماثر الامراء وغیرہ مین اس کی متعدد داستانین نقل کی ہین۔

لیکن بہرحال تمام ملک مین یکسوئی پیدا ہوگئی، اتنا بڑا وسیع ملک جھگڑون سے پاک ہوگیا **تمدن و تہذیب**[۱] کو نہایت ترقی ہوئی، ہر چیز مین حد سے زیادہ نفاست اور تکلف شروع ہوا، اس کا اثر شاعری پر بھی پڑا، اور اس لیے شاعری مین نہایت لطافت اور نزاکت پیدا ہوگئی،

---

[۱] خدانخواستہ اسکے یہ معنی نہین کہ سُنّی مذہب کے مٹانے کو تہذیب و تمدن مین دخل ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ اگر کسی ملک مین مذہبی نزاعین مٹجائین تو ضرور ملک مین ترقی ہوگی۔ اگر ایران مین شیعہ مذہب بالکل مٹ جاتا، تب بھی یہی نتیجہ ہوتا،

صفوی خاندان خود صاحب علم و فضل اور سخن سنج اور سخن شناس تھا، اس لیے اسنے شعر کی نہایت قدر و منزلت کی۔

شاہ عباس ایک دفعہ کو کبۂ شاہی کے ساتھ جا رہا تھا، اُدھر سے حکیم **شفائی** مشہور شاعر آ رہا تھا، شاہ عباس نے سواری سے اُتر جانا چاہا، شفائی نے بڑے اصرار سے روکا تاہم امرا اور درباری گھوڑے سے اُتر پڑے[1]، شاہ عباس اکثر **مسیح** کاشی کے گھر اُن سے ملنے جایا کرتا تھا،

چونکہ اسی زمانے مین ہندوستان مین تیموری خاندان شاہانہ فیاضیون کا دریا بہا رہا تھا اور ایران کے شعرا دولت کی کشش سے ادھر کھچے چلے آتے تھے، اسلیے صفوی خاندان اور بھی رقیبانہ حوصلہ مندیون پر مجبور ہوتا تھا، لیکن **ایران** سے اس معرکہ مین آخر **ہندوستان** ہی نے بازی جیتی،

ہندوستان مین اگرچہ شاعری **بابر** کیساتھ آئی، چنانچہ آتشی قندھاری جسکا یہ مطلع مشہور ہے

سرشکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا کن　　بیا در کشتی چشمم نشین و سیر دریا کن

بابرؒ کے ساتھ ہندوستان مین آیا، لیکن شاعری کی تربیت **بیرم خانخانان** سے شروع ہوئی، وہ خود پختہ کار شاعر تھا اور ترکی اور فارسی دونون زبانون مین کہتا تھا، اکثر شعرا اسکے دربار مین ملازم تھے **نظیری** سمرقندی نے اسکے اشارہ سے شاہنامہ ہمایونی لکھنا شروع کیا تھا اور کئی داستانین نظم کین، چنانچہ جب سکندر لودی کا معرکہ نظم کرکے سنایا تو بیرم خانخانان نے

---

[1] سرو آزاد، [2] بدایونی جلد سوم صفحہ ۱۸۰،

اسپر نکتہ چینی کی، نظیری نے بیرم خان کی اصلاح اور ہدایت کے موافق ایک رات مین چار شعر لکھ کر سنائے اور پیش بہا صلہ حاصل کیا، بدایونی نے بعض اشعار نقل بھی کیے ہین،

اکبر گو اُمّی تھا لیکن نہایت خوش ذوق اور قدردان سخن تھا، اسنے ملک الشعرائی کا خاص عہدہ قائم کیا، جسپر سب سے پہلے **غزالی** مامور ہوا، اکبر کی فیاضیان دیکھ کر ایران کے تمام شعرا ہندوستان مین اُمنڈ آئے، اکبری شعرا کی فہرست جو ابوالفضل نے آئین اکبری مین درج کی ہے حسب ذیل ہے،

حکیم سنائی، غزالی، عرفی، نظیری نیشاپوری، حزنی صفہانی، قاسم کاہی، یبلی ہروی، جعفر بیگ قزوینی، خواجہ حسین مروی، حیاتی گیلانی، شکیبی صفاہانی، انیسی شاملو، صالحی ہروی، محوی ہمدانی، صرفی ساوجی، قراری گیلانی، عتابی نجفی، ملا صوفی ماژندرانی، جدائی مرزی، وقوعی نیشاپوری، خسروی قاینی، وفائی سپاہانی، شیخ ساقی، رفیعی کاشانی، غیرتی شیرازی، حالتی، سنجر کاشی، جذبی، تشبیہی کاشی، اشکی قمی، اسیری رازی، فہمی رازی، قیدی شیرازی، پیروی ساوجی، کامی سبزواری، پیامی، سید محمد ہروی، قدسی کربلائی، حیدری تبریزی، سامری، فریبی شاپور، فسونی شیرازی، نادری ترشیزی، نوعی مشہدی، باباطالب اصفہانی، سرمدی اصفہانی، دخیل صفہانی، قاسم ارسلان مشہدی، غیوری حصاری، قاسمی ماژندرانی، رہی نیشاپوری،

یہ وہ لوگ ہین جو دربار مین پہونچے،

ابوالفضل ان نامون کو لکھ کر کہتا ہے، "وآنانکہ سعادت بار نہ یافتند واز دور ودستہا گیتی نغزا وندراستایشگر بس انبوہ" جون قاسم گونابادی، ضمیری سپاہانی، وحشی بافقی، محتشم کاشی،

ملک قمی، ظہوری ترشیزی، ولی دشت بیاضی، نیکی، صبری، فگاری، حضوری، قاضی نوری، صافی طوفی طبریزی، رشکی ہمدانی، ان مین سے بھی بجز دو تین کے سب ہندوستان مین آئے تھے

اکبر اور جہانگیر وغیرہ سلاطین، خود صاحب مذاق اور نکتہ سنج تھے اسلیے شعرا، فن شعر مین ترقی کرنے کی کوشش کرتے تھے، اسکے ساتھ چونکہ تقرب حاصل کرنے کی غرض سے ہر شاعر دوسرے سے بڑھ جانا چاہتا تھا، اسلیے خود بخود ان سخن سنجون کے کلام مین زور پیدا ہوتا جاتا تھا، اور ہر ایک اپنے کلام مین کوئی نہ کوئی جدت پیدا کرتا تھا،

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیان کین، اور نقادان فن نے اس کی تنقید کی داد دی، ایک دفعہ کسی نے **فغانی** کا یہ شعر پڑھا۔

مسیحا یا روخضر شہر کاب ہم عنان عیسیٰ ۔۔۔ فغانی آفتاب من بدین اعزاز می آید

اکبر نے برجستہ اصلاح دی، **مصرع** ۔۔۔ فغانی شہسوار من بدین اعزاز می آید

جہانگیر کا ذوق شاعری اسی قدر صحیح تھا جس قدر ایک بڑے نقاد فن کا ہو سکتا ہے، جس شاعر کی نسبت اسنے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھکر اسکے متعلق ریویو نہین کیا جا سکتا،

طالب آملی ایک مدت تک اس کے دربار مین شاعری کرتا رہا لیکن اسنے ملک الشعرائی کا خطاب اسکو اُسوقت دیا جب وہ درحقیقت اس منصب کے قابل ہوا، چنانچہ خود لکھتا ہے،

درین تاریخ (تخت نشینی کے چودھوین سال) طالب آملی بخطاب ملک الشعراء خلعت امتیاز پوشیدہ، چون رتبہ سخنش از ہمگنان درگذشت، در سلک شعرائے پایۂ تخت منتظم گشت، این چند بیت از وست،

پھر چند شعر طالب کے انتخاب کیے ہین کہ خود **طالب** اس سے اچھا انتخاب نہین کرسکتا تھا،

ایک دفعہ **خانخانان** نے یہ غزل طرح کی، ع ہر یک گل زحمت ہر خاری باید کشید، مرا صفوی اور مرزا مراد نے بھی اس طرح مین غزلین لکھین، طرح کا مصرع چونکہ نہایت شگفتہ تھا **جہانگیر** نے فی البدیہ مطلع کہا،

ساغرے بر رخ گلزار[1] می باید کشید — ابر بسیار ست مے بسیاری باید کشید

طرح کا مصرع جامی کی غزل کا ہے، جہانگیر نے پوری غزل نکلوا کر دیکھی، لیکن چونکہ یہی ایک مصرع کام کا تھا، تزک مین لکھتا ہے۔

"این مصرع ظاہر شد کہ از مولانا عبد الرحمن جامی ست، غزل او تمام بہ نظر درآمد غیر ازان مصرع کہ بطریق مثل زبان زد روزگار شدہ دیگر کارے نساختہ بغایت سادہ وہموار گفتہ[2]"،

ایک دفعہ دربار مین امیر الامرا، کا یہ شعر پڑھا گیا،

بگذر مسیح از سرِ ما کشتگانِ عشق — یک زندہ کردن تو بصد خون برابر ست

جہانگیر کے اشارے سے سب نے اسپر غزلین لکھین، جہانگیر نے ملا احمد ٹھرکن کا شعر پسند کیا چنانچہ یہ تمام واقعہ خود تزک مین لکھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

بہ تقریبے این بیت امیر الامرا، خواندہ شد، ع بگذر مسیح از سرِ ما کشتگانِ عشق

---

[1] بر رخ گلزار یعنی گلزار کے سامنے، [2] تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڈھ صفحہ ۲۳۲،

چون طبع من موزون ست گاہے بہ اختیار وگاہے بے اختیار مصراعے

ورباعی، یابیتے درخاطرم سرمیزند این بیت بر زبان گذشت،[۱]

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس — یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

چون خواندہ شد ہرکس کہ طبع نظمے داشت درین زمین بیتے گفتہ گذرانید،

علی احمد مہرکن کہ احوال او پیش ازین گذشت، بد نہ گفتہ بود،

ای محتسب[۱] زگریۂ پیر مغان بترس — یک خم شکستن تو بصد خون برابر است

فرہنگ جہانگیری جب جہانگیر کے سامنے اسکے مصنف نے پیش کی تو جہانگیر نے نہایت قدر دانی کی چنانچہ لکھتا ہے۔

"میر عضد الدولہ از آگرہ آمدہ ملازمت نمود، فرہنگے کہ در لغت ترتیب دادہ بہ نظر درآورد، الحق محنت بسیار کشیدہ وخوب پیروی ساختہ وجمیع لغات را از اشعار علما ر قدما مستشہد آوردہ، درین فن کتابے مثل[۲] این نمی باشد،

ایک دفعہ[۳] ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح مین قصیدہ لکھکر پیش کیا، مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا ع

اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے کہا تم عروض بھی جانتے ہو؟ شاعر نے کہا نہین، جہانگیر نے کہا اچھا ہوا ورنہ تمھارے قتل کا حکم ہوتا، پھر مصرع کی تقطیع کرکے بتایا کہ دوسرا رکن یون آتا ہے "دولت بر سرت" اور یہ سخت بے ادبی ہے،

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ ۱۱۱، [۲] تزک جہانگیری صفحہ ۲۵۹، [۳] تذکرہ سرخوش، ذکر جہانگیر،

اس زمانے مین ممّی، تخلص ایک شاعر تھا جو قوم کا کلال تھا، کلالون کی قوم شاہی دربارون مین دربانی اور چاؤشی کے لیے مخصوص تھی، ممّی نے بتقریب شاعری **نورجہان بیگم** کے ذریعہ سے جہانگیر کے دربار مین رسائی پیدا کرنی چاہی، جہانگیر نے کہا کہ ان لوگون کا کام چاؤشی اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا مناسبت، لیکن چونکہ نورجہان کی خاطر عزیز تھی، اجازت دی، ممّی نے یہ شعر پڑھا،

ممّی بگریہ سرے دارد اے نصیحت گر — کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان ست

جہانگیر نے کہا دیکھا وہی اپنے پیشے کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نورجہان بیگم نے تقریب کی، ممّی نے مطلع پڑھا،

من میرم و برق زبان شعلۂ آہم — اے ہمنفسان دور شوید از سر راہم

جہانگیر نے ہنسکر کہا وہ اثر کہان جاسکتا ہے[1]۔

سلسلۂ سخن مین ہم کہان سے کہان نکل آئے، جہانگیر کی لائف لکھنی مقصود نہین، لیکن یہ دکھانا ہے، کہ ان سلاطین کے دربار مین شعر و شاعری کو جو ترقی ہوئی وہ صرف اسلیے نہ تھی کہ شاعری سے دولت ہاتھ آتی تھی بلکہ زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ یہ سلاطین خود موزون طبع تھے، نقادفن تھے، اچھے بُرے کی تمیز رکھتے تھے، موقع بہ موقع شعرا کو ٹوکتے رہتے تھے، ان کو صحیح داد دیتے تھے اسلیے اُن کے دربار حقیقت مین شاعری کی تعلیم گاہ تھے،

دکن مین ابراہیم **عادل شاہ** کی قدردانی اور فیاضی نے بیجاپور کو ایران کا ٹکڑا بنادیا تھا

---

[1] تذکرہ سرخوش ذکر ممّی،

ظہوری اور ملک قمی اسکے دربار کے ملازم تھے اور اکبری کشش بھی ان کو دلی اور آگرے نہ کھینچ سکی، برہانپور مین نظام شاہ بحری گویا اس فن کا مربی تھا، ظہوری نے ساقی نامہ اسی کی شان مین کہا ہے، جسکا بیش بہا صلہ عطا ہوا تھا۔

ہندوستان کی یہی فیاضیان تھین جنکی بنا پر تمام ایران ادھر کھچا چلا آتا تھا، خود شعرا کی زبان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے،

میرزا صائب

ہمچو عزم سفر ہند کہ در ہر دل ہست — رقص سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

ابوطالب کلیم

اسیر ہندم و زین رفتن بجا پشیمانم — کجا خواہد رساندن پرفشانی مرغ بسمل را

بہ ایران میرود نالان کلیم از شوق ہمراہان — بپائے دیگران ہمچون جرس طے کردہ منزل را

ز شوق ہند زان سان چشم حسرت بر قفا دارم — کہ رو ہم گر براہ آرم نمی بینم مقابل را

علی قلی سلیم

نیست در ایران زمین سامان تحصیل کمال — تا نیامد سوے ہندوستان حنا رنگین نشد

دانش مشہدی

راہ دور ہند پابستہ وطن دارد مرا — چون حنا شب درمیان رفتن بہندستان خوش ست

ہندوستان کی قوت کشش اس زمانے کے ساتھ مخصوص نہین ہمیشہ سے اس کی قدردانی کے شہرے ایرانیون کے لیے دام تسخیر تھے، خواجہ حافظ کو بادشاہ بغداد نے

بار بار بلایا، لیکن جگہ سے نہ ہلے، شیراز ہی مین بیٹھے بیٹھے غزلین لکھ کر بھیجدین، لیکن دکن سے تحریک ہوئی تو جہاز مین سوار ہو کر ہرمز تک آئے، جامی ایران مین تھے لیکن قصیدے ہندوستان مین بھیجتے تھے،

جامی اشعار دلاویز تو جنسیست لطیف | بود ش از حسن بود وز سر معنے تارش
ہمرہ قافلہ ہند روان کن کہ رسد | شرف عز قبول از ملک التجارش

علی نقی کمرہ نے ۵۳ شعرون کا قصیدہ فیضی کی مدح مین لکھ کر بھیجا، جس مین کہتا ہے،

مرا فگند بر نظم امور مرتو فیضی | ابو الفیض آن گزین اکبر و شیخ کبیر من

ہندوستان مین، سلاطین اور شہزادون کے علاوہ امرا اکثر سخن فہم اور قدردان تھے ان مین ابو الفتح گیلانی اور عبد الرحیم خانخانان نے شاعری کی اکاڈیمی (بیت العلما) قائم کی، جس کی بدولت شعرا نے اس فن مین نہایت ترقی کی، ابو الفتح ایک خط مین خانخانان کو لکھتا ہے،

قصائدے کہ یاران آن جا گفتہ بودند شعراے این جا فرسودہ شد، بنام نامی شما ہر گاہ بہ اتمام می رسد بہ ملازمت فرستادہ خواہد شد، ملا عرفی و ملا حیاتی بسیار ترقی کردہ اند[1]

عبد الباقی ماثر رحیمی مین لکھتا ہے،

اکثرے از اعیان دولت و ارکان سلطنت بادشاہ مرحوم (اکبر)

---

[1] چہار باغ یعنی مکاتیب حکیم ابو الفتح،

دست گرفتہ و تربیت کردہ ے (حکیم ابوالفتح) اند و ہر کہ تازہ از ولایت آمدہ بندگی و مصاحبت ایشان اختیار می نمودہ، چنانچہ خواجہ حسین ثنائی و میرزا قتلی میلی و عرفی شیرازی و حیاتی گیلانی و سائر مستعدان در خدمت ادبودہ اند،

شعر کی تاریخی زندگی مین یہ واقعہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان مین آکر فارسی شاعری نے ایک خاص جدت اختیار کی، جس کی تفصیل ہم کسی آیندہ موقع پر لکھین گے، یہ جدت حکیم ابوالفتح کی تعلیم کا اثر تھا، مآثر رحیمی مین ہے،

و مستعدان و شعر سنجان این زمان را اعتقاد آن ست کہ تازہ گوئی کہ درین زمان در میانۂ شعرا مستحسن است و شیخ فیضی، و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بہ آن روش حرف زدہ اند، بہ اشارہ و تعلیم ایشان (حکیم ابوالفتح) بودہ (مآثر رحیمی تذکرۂ حکیم حاذق)

اسی طرح **خانخانان** کی شاہانہ فیاضیون اور شاعرانہ نکتہ سنجیون نے شعر و شاعری کے حق مین ابر کرم کا کام دیا، خانخانان نے احمد آباد مین ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا جس مین ہر فن کی نہایت نادر کتابین جمع کین، ایک عجیب خصوصیت اس کتب خانے کی یہ تھی کہ جس قدر مشہور شعرا اس کے دربار مین تھے، اِن کے دیوان خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتب خانے مین محفوظ تھے، اکثر شعرا اس کتب خانے کی خدمت پر مامور تھے، یہین غزلون کی طرحین دیجاتی تھین، شعرا مشاعرے کرتے تھے، خانخانان خود بھی شریک صحبت ہوتا تھا

اور قدر دانی سے دل بڑھاتا تھا، خود بھی ان طرحوں مین غزلین کہتا تھا،[1]

رسمی قلندر ایک ایرانی درویش شاعر تھا، اس نے خانخانان کی تربیت شعر و شعرا کا ذکر ایک قصیدے مین تفصیل سے کیا ہے، چنانچہ خانخانان کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

زمین مدح تو آن نکتہ سنج شیرازی (یعنے عرفی) | رسید صیت کلامش بہ روم از خاور
بطرز تازہ ز مدح تو آشنا گردید | چو روے خوب کہ یابد ز ماشطہ زیور
ز فیض نام تو فیضی گرفت چون خسرو | بہ تیغ ہندی اقلیم سبعہ را یکسر
ز ریزہ چینی خوانت نظیری شاعر | رسیدہ است بجاے کہ شاعران دگر
کنند بہر مدیحش قصیدہ انشا | ق | کہ خون رشک چکد از دل سخن پرور
سواد شعر شکیبی چو کحل اصفاہان | بہ تحفہ سوے خراسان برند اہل نظر
ز مدحت تو حیاتی حیات دیگر یافت | سبے مقوی طبع عرض بود جوہر
حدیث نوعی و کفوی بیان چہ سازم من | چو زندہ اند بمدح تو تا دم محشر
ز نعمت تو بہ نوعی رسیدہ آن مایہ | کہ یافت میر معزی ز نعمت سنجر

خانخانان اس درجے کا سخن سنج تھا کہ اگر وہ شاعری مین پڑتا، تو عرفی اور نظیری کا ہمسر ہوتا، اس طرح مین، چندست، پندست، فرزندست تمام مشہور شعرا نے زور آزمائیان کی ہین، نظیری اور خانخانان کی غزلین ہم بالمقابل درج کرتے ہین، دونون کا خود موازنہ کرو،

[1] اس کتب خانے کا حال ماثر رحیمی کے مختلف مقامات مین درج ہے،

خانخانان	نظیری
شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چندست	بحرف اہل غرض قُرب و بُعد ما بندست
جز این قدر کہ دلم سخت آرزومندست	دل شکستہ ما را ہزار پیوندست
بہ کیش صدق و صفا حرف عہد بیکارست	ازان دمم کہ بحسرت فگندہ دیدن او
نگاہِ اہل محبت تمام سوگندست	نگہ بگوشۂ چشمم ہنوز در بندست
نہ دام دانم و نہ دانہ این قدر دانم	نظر دلیر نشد تا مژہ بہ پیش آمد
کہ پای تا بسرش ہر چہ ہست در بندست	حجاب اگر پرِ کاہ ست کوہ الوندست
مرا فروخت محبت ولی ندانستم	دو چشم ساکن بیت الحزن بمن گردید
کہ مشتری چہ کس ست و بہای من چندست	کہ من اسیر بمعشوقم او بہ فرزندست
ادای حق محبت عنایتی ست ز دوست	درازدستی حسن کہ گل بہ چشم ریخت
وگرنہ خاطر عاشق بہیچ خرسندست	کہ تا بدامنم از جیب در شکر خندست
ازان خوشم بہ سخنہای دلکش تو رحیم	بہ کینہ جوئی افلاک عشق می بازم
کہ اندکی بہ اداہای عشق مانندست	کہ ہر کہ دشمن ما شد بہ دوست مانندست

نظیری از تو بجان کندست لب بکشای

باین قدر کہ بگوئی بمیر خرسندست

دونون غزلون کے موازنہ کرنے کا یہ موقع نہین، لیکن صاحب ذوق سمجھ سکتا ہی کہ خانخانان کے کلام مین جو صفائی، شستگی، دلاویزی اور سوز و گداز ہے نظیری کی غزل اس سے بالکل

خالی ہے، خانخانان کی فیاضی اور قدردانی سے جو شعرا اور اہل کمال اسکے دربار مین جمع ہوگئے سلاطین کو بھی یہ بات نصیب نہین ہوئی، مآثر رحیمی مین ان تمام شعراؤن کا مفصل تذکرہ ہے،
عُرفی نے جب یہ قصیدہ پیش کیا ع اے داشتہ در سایہ ہم تیغ و قلم را
تو ایک لاکھ روپے دلوائے[۱]،

عرفی خانخانان کی مدح مین خصوصیت کے ساتھ اپنے کمال سخن کی داد چاہتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ وہ خود اس فن کا حریف ہے، چنانچہ کہتا ہے،

سخن شناسا دیدی و دیدہ باشی ہم | علو پایہ من در مقام سحبانی
فلان مربی من تربیت پذیر این بس | ز فضل خود چہ زنم لاف ہاے طولانی

مربیان سخن کے سلسلہ مین علی قلی خان، خان زمان، خان اعظم کوکلتاش، ظفر خان، اور غازی خان، کا نام بھی نظر انداز نہین کیا جا سکتا، خان زمان اکبری دربار کے امرائے کبار مین سے تھا، جو بالآخر حریف سلطنت بنکر مارا گیا، وہ خود شاعر اور قدردان سخن تھا، سلطان تخلص کرتا تھا، چنانچہ بدایونی نے شعرا کے ذیل مین اس کا حال لکھا ہے، اکثر شعرا اسکے دربار مین ملازم تھے، ایک دفعہ جب اسنے یہ غزل لکھی،

باریک چو موے ست میانے کہ تو داری | گویا سر آن موست دہانے کہ تو داری

تو اکثر شعرا نے اسکا تتبع کیا، ایک شاعر نے یہ مطلع لکھا،

گفتم کہ گمانے ست دہانے کہ تو داری | گفتا کہ یقین ست گمانے کہ تو داری

---

[۱] کلمات الشعرا سرخوش ذکر خانخانان

غزالی جب ایران سے دکن مین آیا اور حسب دلخواہ اُس کی قدردانی نہین ہوئی تو خان زمان نے ہزار روپے اور چند گھوڑے بھیجکر بلایا اور یہ قطعہ لکھکر بھیجا،

اے غزالی بحق شاہ نجف — کہ سوے بندگان بیچون آئے
چون کہ بے قدر گشتہ آن جا — سر خود گیر زود بیرون آئے

"سر خود گیر" سے ہزار روپے کا کنایہ تھا کیونکہ غزالی کا پہلا حرف غ ہے جس کے عدد ہزار ہین، غزالی دکن سے جونپور مین آیا اور جب تک خان زمان زندہ رہا اس نے اور کسی دربار کی طرف رخ نہین کیا، جونپور مین آکر اُس نے ایک مثنوی نقش بدیع لکھ کر پیش کی جس مین ایک ہزار شعر تھے، خان زمان نے وہ صلہ دیا جو سلطان محمود نہ دے سکا تھا، (فی شعر ایک اشرفی) اس مثنوی کے چند شعر اس لحاظ سے نقل کرتا ہون کہ ناظرین خان زمان کی صحیح المذاقی کا اندازہ کرسکین،

خاک دل آن روز کہ می بیختند — شبنمے از عشق برو ریختند
دل کہ بہ آن رشحہ غم اندود شد — بود کبابے کہ نمک سود شد
بے اثر مہر چہ آب و چہ گل — بے نمک عشق چہ سنگ و چہ دل
ذوق جنون از سر دیوانہ پرس — لذت سوز از دل پروانہ پرس

خان زمان کے مرنے کے بعد[۱] غزالی اکبر کے دربار مین آیا، اور ملک الشعرا کے خطاب سے ملقب ہوا، خاندان تیموریہ مین یہ پہلا شخص تھا جو اس منصب پر ممتاز ہوا،

۱؎ خزانہ عامرہ ذکر غزالی،

الفتی یزدی خان زمان ہی کے دربار مین ملازم تھا[1]،

خان اعظم کوکلتاش اکبر کا رضاعی بھائی تھا اور اسکے ساتھ کا کھیلا تھا، اکبر اسکی نازبرداریان کرتا تھا، اور کہتا تھا، "چہ کنم درمیان من وخان اعظم دریاے شیر حائل ست" خان اعظم نہایت قابل نہایت نکتہ سنج اور بہت بڑا مورخ تھا، جہانگیر اس کی نسبت لکھتا ہے۔

درعلم سیر وفن تاریخ استحضار تمام داشت و در تحریر و تقریر بے نظیر بود، و در مدعانویسی ید طولی داشت، و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و شعر ہمواری می گفت این رباعی از واردات اوست[2]،

عشق آمد واز جنون پر و مندم کرد — وارستہ ز صحبت خرد مندم کرد

آزاد ز بند دین و دانش گشتم — تا سلسلۂ زلف کسے بندم کرد

ملاے بدایونی اس کی نسبت لکھتے ہین "بہ انواع فضائل وہنر موصوف ست و بفہم عالی و ادراک بلند او کسے دیگر را از امرا نشان نمی دہند"، ملا صاحب نے اسکا ذکر شعرا کے ذیل مین کیا ہے، اور اسکے اشعار بھی نقل کیے ہین، ایک مطلع سننے کے قابل ہے،

گشت بیمار دل از رنج و غم تنہائی — اے طبیب دل بیمار چہ می فرمائی؟

خان اعظم نے اکثر شعرا کی تربیت کی جن مین سے جعفر ہروی، سہمی، مدامی، بدخشی، مقیمی، سبزواری کا ذکر بدایونی نے اپنی تاریخ مین کیا ہے،

میرزا غازی قندھار کا صوبہ دار تھا ایران کے شعرا جو کابل اور قندھار کی راہ سے

---

[1] بدایونی جلد سوم تذکرہ الفتی صفحہ ۱۸۹، [2] تزک جہانگیری،

ہندوستان میں آتے تھے پہلے میرزا غازی ہی کے خوان کرم سے فیضیاب ہوتے تھے،

ظفرخان صوبہ دار کشمیر اس رتبہ کا شخص تھا کہ کلیم اور مرزا صائب کو اس کی استادی اور مربی گری کا اعتراف ہے، صائب ایک مدت تک اسکے دربار میں رہا اور اس کی بدولت شاعری میں ترقی کی، ظفرخان اسکے کلام میں موقع بموقع دخل اور تصرف کرتا تھا، صائب نے اپنے دیوان کی ترتیب بھی اسی کے اشارے سے[1] کی، چنانچہ صائب ان باتوں کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرتا ہے،

حقوق تربیتت را کہ در ترقی باد — زبان کجاست کہ در حضرتت فرو خوانم

تو جان ز دخل بجا مصرع مرا دادی — تو در فصاحت دادی خطاب سحبانم

ز دقت تو معنی شدم چنان باریک — کہ می توان بہ دل مو رکرد پنہانم

چو زلف سنبل ابیات من پریشان بود — نہ داشت طرۂ شیرازہ روے دیوانم

تو غنچہ ساختی اوراق باد بردہ من — وگرنہ خار نمے ماند از گلستانم

صاحب مآثر الامرا ظفرخان کے حال میں لکھتے ہیں،

زرہا بمردم ایران می داد خصوصًا در حق شعرا طرفہ بذل وکرم می فرمود ما

---

[1] ظفرخان کا نام احسن اللہ خان اور احسن تخلص ہے، ظفرخان کا باپ خواجہ ابوالحسن سنہ ۱۰۳۲ ہجری میں جہانگیر کا وزیر اعظم مقرر ہوا اور کابل کی حکومت مستزاد ملی، ظفرخان باپ کی نیابت میں کابل کا صوبہ دار ہوگیا، شاہجہان نے ابوالحسن کو سنہ ۱۰۴۲ ہجری میں کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا، جب وہ اسی سنہ میں انتقال کرگیا تو ظفرخان کشمیر کا مستقل حاکم مقرر ہوا، ظفرخان نے اپنے ایام حکومت میں تبت کو فتح کیا، اور سنہ [illegible] ہجری میں وفات پائی، ظفرخان صاحب دیوان ہے، ذیل کے شعر سے اسکی طبیعت کا اندازہ ہوگا،

دلم بکوے تو امید وار می آید — نگاہ دار کہ روزے بکاری آید

سخنوران صاحب استعداد دل از اوطان برداشتہ روی امید بدرگاہش می گزاشتند و بنتہاے تمنای رسیدند، فصیح المتاخرین میرزا صائب تبریزی چون از ایران کابل رسید از گرمجوشی و دریا بخشی او دل بستہ محبتش گردیدہ،

ظفرخان نے ایک عجیب مرقع طیار کرایا تھا جو آج ہاتھ آتا، تو لاکھون روپے کو ارزان تھا یعنی ایک بیاض تیار کرائی تھی، جس مین ہر شاعر اپنا منتخب کلام خود اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، اور صفحہ کی پشت پر اُس کی تصویر ہوتی تھی[1]،

اس زمانے مین شاعری کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مشاعرہ کا رواج قائم ہوا اس سے پہلے شعرا بطور خود، اساتذہ کی غزلون پر غزل لکھتے تھے: اب (یعنی فغانی کے زمانے سے) یہ طریقہ قائم ہوا کہ کسی امیر صاحب مذاق کے مکان پر شعرا جمع ہوتے تھے، پہلے سے کوئی طرح دیدی جاتی تھی، سب اسطرح مین غزلین لکھ کر لاتے تھے اور پڑھتے تھے، کبھی کبھی بر سرِ محفل برابر کے دعویدارون مین چوٹ چل جاتی تھی، سوال وجواب ہوتے تھے، اور اسطرح مسابقت اور حریف بشگی شاعری کو ترقی دیتی جاتی تھی،

ان تمام مجموعی حالات نے شاعری پر جو اثر کیا، اور جو خصوصیتین پیدا کین حسب ذیل ہین

(۱) غزل کی ترقی،

اگرچہ اس زمانے مین قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، اِن تمام اصناف سخن کا بہت بڑا ذخیرہ پیدا ہوگیا، لیکن درحقیقت یہ عہد غزل کی ترقی کا عہد ہے، غزل مین مختلف اسٹائل (طرز)

---

[1] مآثرالامراء،

قائم ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

واقعہ گوئی یا معاملہ بندی یعنی اُن واقعات اور معاملات کا ادا کرنا جو عشق عاشقی مین پیش آتے ہین ہم پہلے لکھ آئے ہین کہ واقعہ گوئی کے موجد **سعدی** ہین، اور امیر خسرو نے اسپر معتدبہ اضافہ کیا لیکن اس عہد مین یہ ایک مستقل صنف ہوگئی، جسکا بانی اول میرزا **اشرف جہان** قزوینی ہے جو شاہ طہماسپ صفوی کا وزیر تھا، مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ مین لکھتے ہین،

چون نوبت سخن سنجی بہ میرزا اشرف جہان رسید طبع او مائل وقوع گوئی بسیار افتاد و این طرز را بحد کثرت رسانید،

شرف جہان کا دیوان ہمارے کتب خانے مین ہر ہم اس سے اس کتاب کے چوتھے حصے مین کام لین گے، یہان ہم اسکے بعض اشعار اس غرض سے نقل کرتے ہین کہ وقوع گوئی کا مفہوم سمجھ مین آسکے،

با ہر کہ بینمش چو بپرسم کہ کیست این	گوید کہ این ز عہد قدیم آشنای ماست
نہان ازو بہ رخش داشتم تماشائی	نظر بجانب من کرد و شرمسار شدم
چنان گوید جواب من کز ان گردد رقیب آگہ	بمجلس گر من بیدل از و حرفے نہان پرسم

شرف جہان نے ۹۶۲ھ ہجری مین وفات پائی،

اس طرز کو جن لوگون نے اپنا خاص موضوع بنالیا، وہ وحشی یزدی، علی قلی میلی اور علی نقی کمرہ ہین، وحشی یزدی چونکہ رند اور اوباش مزاج تھا اور بازاری معشوقون سے اسکو زیادہ سروکار رہا، اسلیے اس طرز کو اسنے کسی قدر اعتدال سے بڑھادیا، **واسوخت** کی

ابتدا بھی اسی نے کی اور اسی پر اسکا خاتمہ بھی ہوگیا،

فلسفہ | غزل مین فلسفہ کی آمیزش عرفی نے خاص طور پر کی، لیکن اس طرز کو بہت ترقی نہین ہوئی، اسکے ہمعصرون اور مابعد کے شعرا نے بہت کم اس طرز مین کہا،

مثالیہ | یعنی کوئی دعوی کرنا اور اس پر شاعرانہ دلیل پیش کرنا، اس طرز کے بانی کلیم، علی قلی سلیم، میرزا صائب اور غنی ہین، یہ طرز نہایت مقبول ہوا یہانتک کہ شاعری کے خاتمے تک قائم رہا،

تغزل | تغزل سے یہ مراد ہے کہ عشق اور عاشقی کے جذبات موثر الفاظ مین ادا کیے جائین، یہ وصف اگرچہ لازمہ غزل ہے لیکن نظیری نیشاپوری، حکیم شفائی اور علی نقی نے اسکو زیادہ نمایان کیا، ان لوگون مین اور وقوع گویون مین یہ فرق ہے کہ وقوع گو شعرا ہوس پرست اور بازاری معشوقون کے عاشق ہوتے ہین، اور اُسی قسم کے واقعات اور خیالات باندھتے ہین، بخلاف اسکے متغزلین کا معشوق شاہد بازاری نہین ہوتا، اور نہ ان کا عشق مبتذل اور اوباشانہ ہوتا ہے،

خیال بندی اور مضمون آفرینی | یہ وصف تمام متاخرین مین ہے لیکن اس طرز خاص کا نمایان کرنے والا **جلال** اسیر ہے جو شاہ جہان کا ہمعصر ہے، شوکت بخاری، قاسم دیوانہ وغیرہ نے اسکو زیادہ ترقی دی، اور ہمارے ہندوستان کے شعرا **بیدل** اور **ناصر علی** وغیرہ اسی گرداب کے تیراک ہین،

قصیدہ، قصیدہ کا ایک خاص طرز عرفی نے قائم کیا جس کی کوئی تقلید نہ کرسکا، ظہوری

طالب آملی، حسین ثنائی نے بھی اس صنف کو کچھ کم ترقی نہین دی،

مثنوی، مثنوی بالکل اپنے درجے سے گر گئی (فیضی اس سے مستثنیٰ ہے) مثنوی مین عموماً تاریخی واقعات یا اخلاقی مضامین ادا کیے جاتے ہین لیکن ان مضامین کے لیے سادگی اور پختگی درکار ہے، متاخرین ہر بات مین رنگینی کے عادی ہو گئے تھے، اس لیے، مثنوی مثنوی نہین رہی، بلکہ غزل بن گئی، کلیم کا شاہجہان نامہ پڑھو رزم لکھتے ہین اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزم نشاط مین گانا ہو رہا ہے۔

رباعی، یہ زمانہ اس امتیاز پر ناز کر سکتا ہے کہ رباعی نے فلسفہ کے تمام مسائل ادا کر دیے، **سحابی**، استرآبادی جو اکبر کا ہمعصر اور نجف مین متکف تھا اُسنے کم از کم سترہ ہزار رباعیان لکھین جو سرتاپا فلسفہ سے مملو ہین، اسکا ایک انتخاب جس مین سات ہزار رباعیان ہین، ہمارے پاس ہے اور ہم شعرالعجم کے چوتھے حصہ مین جہان فلسفیانہ شاعری پر بحث کرینگے اسکے کلام کا انتخاب پیش کرینگے یہ تمام تفصیل خاص خاص انواع شاعری کے متعلق تھی، عام طور پر طرز ادا اور اسلوب بیان مین جو جدتین پیدا ہوئین، اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) قدما اور متوسطین کسی خیال کو پیچیدگی سے نہین ادا کرتے تھے، متاخرین کا یہ خاص انداز ہے کہ جو بات کہتے ہین پیچ در پیچ کہتے ہین، یہ پیچیدگی زیادہ تر اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جو خیال کئی شعرون مین ادا ہو سکتا تھا، اسکو ایک شعر مین ادا کرتے ہین، مثلاً قدسی کہتا ہے،

عیش این باغ باندازۂ یک تنگ دل ست　　کاش گل غنچہ شود تا دل ما بگشاید

مطلب یہ ہے کہ دنیا کا باغ ایک نہایت مختصر باغ ہے اس مین اسی قدر وسعت ہے کہ

صرف ایک تنگ دل آدمی خوش ہوے، اسلیے یہ نہین ہو سکتا کہ میرا دل بھی شگفتہ ہو، اور پھول کی کلی بھی کھل سکے، اس بنا پر آرزو کرتا ہے کہ کاش پھول کلی بن جائے۔ تاکہ میرے دل کی شگفتگی کی گنجایش نکل سکے، اس مضمون کو فلسفیانہ نظر سے دیکھین تو یہ خیال ادا کرنا مقصود ہے کہ دنیا مین جب کسی کو فائدہ پہونچتا ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ دوسرے کو نقصان پہونچا، کسی بادشاہ نے ملک فتح کیا، یعنی دوسرے کو شکست ہوئی،

یہ خیال کسی حیثیت سے دیکھا جائے ایک شعر مین سمانے کے قابل نہ تھا، اسلیے جب ایک ہی شعر مین اُسکو ادا کرنا چاہا تو خواہ مخواہ پیچیدگی پیدا ہوگئی،

کبھی یہ پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی مبالغہ یا استعارہ یا تشبیہ نہایت دور از کار ہوتی ہے، اسلیے سننے والے کا ذہن آسانی سے اُسکی طرف منتقل نہین ہو سکتا، مثلاً شوکت بخاری کہتا ہے،

گوش ہا را آشیان مرغ آتش خوارہ کرد　　برق عالم سوز یعنے شعلۂ غوغاے من

شعر کا مطلب یہ ہے کہ مین نے جو آہین کین اس قدر گرم تھین کہ اس سے شعلے نکلے، یہ شعلے لوگون کے کانون مین پہونچے، یہانتک کہ لوگون کے کانون مین آگ بھر گئی، اس بناء پر مرغ آتش خوار نے جس کی غذا آگ ہے کانون مین اپنا گھونسلا بنا لیا کہ ہر وقت غذا ملتی رہے۔

چونکہ کسی شخص کا ذہن اس طرف نہین جا سکتا کہ آہ کی گرمی سے کان آتشکدے بن جائین گے اسلیے مضمون آسانی سے سمجھ مین نہین آسکتا،

(۲) اس زمانے کے اکثر مضامین کی بنیاد الفاظ پر اور صنعت ایہام پر ہی یعنی لفظ کے لغوی معنی کو ایک حقیقی بات قرار دے کر اسپر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہین، مثلاً

امروز نیم شہرۂ عالم ز ضعیفے عمریست کہ از ضعف فتادم بزبانہا

بر زبان افتادن کے اصطلاحی معنے مشہور ہونا ہے، لیکن لغوی معنی "زبان پر پڑنا ہے" مضمون کی بنیاد اسی لغوی معنی پر ہے لکھتا ہے کہ کمزوری اور ضعف مین مین کچھ آج سے مشہور نہین ایک مدت سے کہ مین زبانون پر چڑھ گیا ہون، زبان پر پڑنے کے معنے چونکہ اصطلاح مین مشہور ہونے کے ہین، اسلیے یہ دعوی صحیح ہے لیکن شاعر لغوی معنی لیکر ضعف کو یون ثابت کرتا ہے کہ مین اس قدر ضعیف ہون کہ لوگون کی زبانون پر چڑھا پھرتا ہون،

متاخرین کی شاعری سے اگر ایہام کو الگ کر دیا جائے، تو انکی شاعری کا بہت بڑا حصہ دفعۃً برباد ہوجائے گا،

(۳) اس دور کا بڑا امتیازی وصف، استعارات کی نزاکت اور جدت تشبیہ ہے تمدن کی ترقی مین جس طرح تمام اسباب معاشرت و تمدن مین تکلفات پیدا ہوجاتے ہین، اسیطرح زبان اور خیالات مین بھی نزاکت اور تکلفات پیدا ہو جاتے ہین مثلاً آنکھین فرش راہ ہین، "گو بجاے خود اچھا استعارہ ہے لیکن **نظیری** کہتا ہے،

می خواست بوسہ ریخت اقامت بگسترد از فرش جبہہ راہ بر آن خاک کو نہ بود

بوسہ چاہتا تھا کہ بستر اڈالے لیکن اس کی گلی مین اس قدر پیشانیون کا فرش بچھا ہوا تھا کہ جگہہ نہ تھی،

یا مثلاً شانی کہتا ہے،

شانی دلت بکج کلہان مائل سبت باز　　این لالہ را بطرف کلاہ کہ میزنی

یعنی اے شانی تیرا دل کج کلاہون پر مائل ہو رہا ہے۔ اس پھول کو کس کی ٹوپی مین لگانا چاہتا ہے۔

استعارات کی جدت و نزاکت، متاخرین کا عام انداز ہے، لیکن اس خاص وصف مین **طالب** آملی سب سے زیادہ ممتاز ہے،

(۴) اس زمانے مین الفاظ کی نئی تراشین اور نئی نئی ترکیبین کثرت سے پیدا ہوئین، مثلاً پہلے میکدہ، آتشکدہ وغیرہ مستعمل تھے، اب نشترکدہ، مریم کدہ وغیرہ ترکیبین پیدا ہوئین، یا مثلاً پہلے یک گلشن گل یک چمن گل کہتے تھے، اب یک خندہ لب یک آغوش گل، یک دیدہ نگاہ وغیرہ کہنے لگے، اس قسم کی ترکیبین **عرفی، فیضی، نوعی،** نے کثرت سے پیدا کین، ان ترکیبون سے اکثر جگہ مضمون کا اثر بڑھ جاتا ہے، مثلاً

ع شکن بروی شکن خم بروی خم چیند،

ع، موج بر موج شکستم چو بہ عمان رفتم،

ع بہر یک لب خندہ نتوان منت شادی کشید،

ع، روے بروے حسن کن دست بدست نازدہ،

اس سے زیادہ یہ کہ ایک بڑا خیال ایک چھوٹے سے لفظ سے ادا ہو جاتا ہے مثلاً یہ شعر،

بہ دورگردی من از غرور می خندد   حریف سخت کمانے کہ درکمین دارم

کہنا یہ تھا کہ مین معشوق سے محبت کرتا ہون لیکن الگ الگ رہتا ہون کہ تیر عشق کا گھائل نہ ہوجاؤن، لیکن معشوق میرے اس کترائے پھرنے پر ہنستا ہے کہ میری زد سے بچ کر کہان جائیگا، اس خیال کے ادا کرنے کے لیے دور گردی کا لفظ نہ ہو تو ایک شعر مین یہ مطلب ادا نہین ہوسکتا تھا،

چونکہ ان تمام خصوصیات کی زیادہ تفصیل ان شعرا کے کلام کے ذیل مین آئے گی جن کے ہان یہ خصوصیات زیادہ پائے جاتے ہین، اسلیے اس موقع پر ہم اس گرہ کو زیادہ نہین کھولتے،

فغانی شیرازی

تمام اہل فن اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے کہ متوسطین کی شاعری مین انقلاب پیدا ہوکر جو نیا دور قائم ہوا جو متاخرین اور نازک خیالون کا دور کہلاتا ہی، اس کا بانی فغانی ہی لیکن افسوس اور سخت افسوس ہی کہ ایسے شخص کے حالات بھی ارباب تذکرہ دو چار سطر سے زیادہ لکھنا گوارا نہین کرتے، بہرحال ایک ایک نکتہ کا سراغ لگاکر جو سرمایہ ہاتھ آیا ہے وہ نذر احباب ہے۔

فغانی کا وطن شیراز ہی، سام میرزا نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہی کہ وہ پہلے چاقو بنایا کرتے تھے، شاعری کا آغاز تھا کہ ہرات مین آئے، اس زمانے مین شاعری کا جو انداز مقبول عام تھا، سلطان حسین میرزا کے شعرا کا انداز تھا، چونکہ فغانی کا رنگ ان سے الگ تھا، اسلیے کسی نے ان کی قدر نہ کی بلکہ ان کے کلام کو اس قدر لغو سمجھتے تھے کہ جب کسی کا کوئی مہمل شعر پڑھا جاتا تھا تو کہتے تھے فغانیہ ہی، جامی اس وقت تک زندہ تھے، فغانی ان سے ملے، لیکن ان سے بھی فغانی کو داد نہ ملی، بالآخر تبریز مین آئے، یہان سلطان یعقوب فرمان روا تھا، اس نے ان کی نہایت قدردانی کی، چنانچہ انھون نے

۱؎ تذکرہ عرفات اوحدی

اس کی مدح مین قصیدے لکھے جو دیوان مین موجود ہین، سلطان نے ان کو بابا کا خطاب[1] دیا، سلطان یعقوب کے انتقال کے بعد بیورد مین آکر قیام کیا،

نہایت لاابالی مزاج اور رند تھے، شراب حد سے زیادہ پیتے تھے، اکثر میخانون مین گذرتی تھی، اسی بنا پر بیورد کے حاکم نے ان کا روزینہ شراب اور گوشت مقرر کردیا تھا اخیر عمر مین توبہ کی اور مشہد مین معتکف ہوگئے، ۹۲۵ھ ہجری مین وفات پائی،

شروع مین جب اپنے بھائی کی دکان مین چھری بنایا کرتے تھے تو اس مناسبت سے **سکاکی** تخلص[2] رکھا تھا، پھر فغانی رکھا،

ان کا دیوان ایک لڑائی کے ہنگامے مین ضائع ہوگیا تھا، بھائی کو خط لکھا، کہ جہان کہین سے جو کچھ مل سکے جمع کرو، چنانچہ جگہ جگہ سے تلاش کرکے وہ مجموعہ مرتب ہوا جو آج موجود ہے، لیکن اصل مرتب شدہ دیوان جاتا رہا،

کلام پر رائے ان کو تمام اہل سخن مجدد فن مانتے ہین، والہ داغستانی لکھتے ہین،

بابای مغفور مجتہد فن تازہ ایست کہ پیش ازوی احدی بآن روش شعر نہ گفتہ و پایہ سخنوری را بجاے رسانیدہ کہ عنقاے اندیشہ بپرامون او نمی تواند پرید۔

اکثر اُستادان زمان مولانا وحشی یزدی و مولانا نظیری نیشاپوری و مولانا ظہیری اصفہانی و خواجہ حسین ثنائی و مولانا عرفی شیرازی و حکیم شفائی اصفہانی و حکیم مسیحا کنای کاشی و مولانا محتشم وغیرہم متتبع و مقلد و شاگرد و خوشہ چین من

[1] یہ بیضا، [2] عرفات اوحدی،

طرز روش اوپند،

متاخرین کی جو خصوصیتین ہین اُن کو ہم تمہید مین کہہ چکے ہین **فغانی** کے کلام مین وہ خصوصیتین متوسط حد تک موجود ہین، ورنہ اصلی ترقی عرفی، نظیری، شرف قزوینی وغیرہ نے دی ہے، ہم صرف کلام کے نمونے پر اکتفا کرتے ہین،

خوبی ہمین کرشمہ و ناز و خرام نیست ۔۔۔ بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

ای کہ می گوئی چرا جامے بجانے می خری ۔۔۔ این سخن با ساقی ما گو کہ ارزان کردہ است

طرز ادا کا لطف دیکھو، معترض کو یہ اعتراض تھا کہ، شراب ایسی کیا چیز ہے جو جان کے عوض مین خریدی جائے، لیکن اسنے اختصار کے لیے صرف اس قدر کہا کہ تم ایک پیالہ جان کے عوض مین کیون خریدتے ہو، ہے خوار شراب کے لطف کا اس قدر گرویدہ ہی کہ وہ یہ سمجھا کہ اعتراض اسپر ہی کہ شراب اتنی ارزان کیون خریدتے ہو، اس کی قیمت تو جان سے بڑھ کر کوئی چیز دینی چاہیے، اسکا جواب دیتا ہے کہ مین کیا کرون، یہ اعتراض تو ساقی پر کرنا چاہیے اُسنے قیمت گھٹا کیون دی،

بد گفتن من شد ہنر حاسد منکر ۔۔۔ صد شکر کہ علیم ہنر بے ہنران است

خراب آن کمر نازکم کہ چون مہ نو ۔۔۔ بہ شیوہ ہاے بلند از میان زین پیداست

ساقی مدام بادہ باندازہ ے دہد ۔۔۔ این بیخودی گناہ دل زود مست ماست

آن کہ این نامہ سربستہ نبشت است نخست ۔۔۔ گرہے سخت بسر رشتہ مضمون زدہ است

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرہ عین اوست ۔۔۔ اما نمی توان کہ اشارت بہ او کنند

برون خرام که بسیار شیخ و دانشمند   خراب آن شکن طره و بنا گوشند
مقصود صحبت است ز گل ورنه بوی گل   انصاف اگر بود ز صبا می توان شنید
آلودهٔ شراب فغانی به خاک رفت   آه ار ملائکش کفن تازه بو کنند
تا می توان شکست دل دوستان مخواه   کین خانه را به کعبه مقابل نهاده اند
درماندهٔ صلاح و فسادیم الحذر   زین رسمها که مردم عاقل نهاده اند
با آه و ناله گرچه سر آمد زمان وصل   از نقد عمر آن دو نفس در حساب بود
هزاران چاره ضائع گشت و یکدم نشد ساکن   کنون درد دگر از پهلوی هر چارهٔ دارم
توای گل بعد ازین با هر که می خواهد دلت بنشین   که من چون لاله با داغ جفایت زین چمن رفتم
دلی می باید و صبری که آرد تاب دیدارش   فغانی گر دلی داری تو باش این جا که من رفتم
از فریب نقش نتوان خامهٔ نقاش دید   ورنه در این سقف رنگین جز یکی در کار نیست

ملک الشعرا فیضی

تولد ۹۵۴ھ ہجری، وفات ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ ہجری

فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت مین ہندوستان مین صرف دو شخص پیدا کیے، جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، میرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہین، اور مقطع مین کہتے ہین،

این آن غزل کہ فیضی شیرین کلام گفت — در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

علی نقی کمرہ، ایران کے مشہور شاعر نے ایک قصیدہ ۳۵ شعرون کا فیضی کی مدح مین اصفہان سے لکھ کر بھیجا، جس کے چند شعر یہ ہین[۱]،

مرا فگند بہ نظم امور م پر تو فیضی — ابو الفیض آن گزین اکبر و شیخ کبیر من
اگر ہستم مجیر اندر سخن او ہست خاقانی — وگر من ستجیر آستان او مجیر من
کیم با او رسد در شاعری دعوائے ہمچشمی — کہ در این خانقاہم من مرید او ست پیر من

افسوس یہ ہی کہ شاعری کی شہرت نے فیضی کے اور تمام کمالات پر پردہ ڈالدیا وہ کہتا ہی اور سچ کہتا ہے،

---

[۱] سرد آزاد،

امروز نہ شاعرم حکیم　　دانندہ حادث و قدیم

لیکن شاعری کی شہرت عام اور تصنیفات علمی کی گم شدگی نے اس دعوی کو بے دلیل کر دیا فیضی کے مذہبی اور علمی خیالات کا برائے نام کچھ پتہ چلتا ہے تو ان اتہامات سے جو بدایونی نے نہایت بے دردی سے اس پر لگائے ہین، تاہم ایک نکتہ دان کو اس غلط اور جھوٹی تصویر مین بھی، اصلیت کے خط و خال نظر آتے ہین، لیکن ابھی ان بحثونکے چھیڑنے کا موقع نہین، ابھی اُس کے سرسری حالات زندگی سننے چاہیین،

فیضی عربی النسل ہی، اسلاف یمن مین رہتے تھے، شیخ موسی جو فیضی کی پانچوین پشت مین ہین، وطن سے ترک تعلق کر کے سیاحت کو اُٹھے، اور چلتے پھرتے سندھ کے علاقے مین آئے، ریل ایک قصبہ ہی، یہان قیام کیا، اور شادی کر لی، دسوین صدی ہجری مین شیخ خضر فیضی کے دادا وطن چھوڑ کر ناگور مین آئے، یہان ایک عربی خاندان مین شادی کی، جس سے شیخ مبارک پیدا ہوئے فیضی اسی نخل کمال کا نونہال تھا شیخ مبارک بڑے پایہ کا شخص تھا، علوم ظاہری اور باطنی دونون مین کمال رکھتا تھا، چار جلدون مین تفسیر کبیر کے انداز پر ایک تفسیر لکھی، جس کا نام منبع العیون رکھا، نہایت سیر چشم اور قانع تھا، شیر شاہی حکومت مین سلطنت کی طرف سے جاہ و عزت کی ترغیبین دلائی گئین، لیکن اُس کی چشم استغنا نے نظر اُٹھا کر نہ دیکھا، ان کے مفصل حالات، ابو الفضل نے آئین اکبری مین لکھے ہین،

شیخ مبارک، ناگور سے گجرات اور گجرات سے آگرہ مین آئے، جنا کے

کنارے میر رفیع الدین حسینی کے ہمسایہ مین قیام اختیار کیا، اور یہین ایک معزز خاندان مین شادی کی، خدا نے کثرت سے اولاد دی، جن مین سب سے پہلا **فیضی** تھا جو ۹۵۴ھ مین پیدا ہوا، فیضی نے ابتدائی اور انتہائی تعلیم باپ سے حاصل کی،

بدایونی نے خواجہ حسین مروی کے حال مین لکھا ہے کہ فیضی اُسکا تربیت یافتہ تھا خواجہ حسین مروی، شیخ علاء الدولہ سمنانی کے خاندان سے تھے، معقولات مین ملا عصام الدین کے شاگرد تھے، دینیات، شیخ ابن حجر مکی سے حاصل کی تھی، شاعری انشا پردازی، حسن تقریر، اور ظرافت ولطیفہ گوئی مین کمال رکھتے تھے، **اکبر** کے حکم سے **سنگھاسن بتیسی** کا ترجمہ نظم مین کرنا شروع کیا تھا، ۹۷۹ھ ہجری مین وفات پائی فیضی نے **دام ظلہ** سے مادۂ تاریخ نکالا،

بدایونی نے یہ نہین لکھا کہ فیضی نے کس فن مین ان سے تربیت پائی تھی، لیکن غالبًا یہ شاعری کا فن ہوگا، شباب کو پہونچا تو اس کا دامن کمالات کے پھولون سے بھرا تھا لیکن قسمت نے مدتون عجیب عجیب مصیبتون مین مبتلا رکھا، جس کی داستان نہایت لمبی ہے لیکن چونکہ دلچسپ بھی ہے اسلیے بالکل قلم انداز بھی نہین کرسکتا،

شیخ مبارک کو وسعت نظر اور ہمہ دان ہونے نے تقلید اور تعصب کی بندشون سے آزاد کردیا تھا، خود حنفی تھا، لیکن شیعی، سنی، مسلمان، کافر سب سے ملتا تھا، اس زمانے مین **مہدوی** فرقہ نہایت مطعون خلائق تھا، **شیخ** کو ان سے ملنے مین بھی دریغ نہ تھا، عوام مین شہرت پھیلی کہ شیخ رافضی ہے، مہدوی ہے، دہری ہے، سو اتفاق یہ کہ اسی

زمانے یعنی ۹۷۳ھ ہجری مین کہ اکبر کی سلطنت کا چودھوان[1] برس تھا شیخ گوشہ عزلت سے نکل کر، افادۂ عام کی مسند پر بیٹھا، اکبر اس زمانے تک متعصب مولویونکے قبضے مین تھا، اُس کے بل پر درباریون کو شیخ کے ستانے کا موقع ملا، ان مین سے ایک شخص آدھی رات کے وقت ہانپتا کانپتا فیضی کے پاس آیا، کہ امراے دولت سب کے سب آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہین، مصلحت یہ ہی کہ شیخ کو لیکر کہین نکل جائیے، جب یہ فتنہ فرو ہوجائے تو پھر اختیار ہی، فیضی گھبرایا ہوا باپ کے پاس آیا، شیخ مبارک نے بڑے استقلال سے جواب دیا کہ مین جگہ سے نہین ہلتا، جو ہونا ہی ہوگا، لیکن فیضی اس قدر حواس باختہ تھا کہ تلوار نکال کر کہا آپ کو اختیار ہی، چلیے یا نہ چلیے، مین تو اپنے آپ کو ہلاک کیے ڈالتا ہون،

باپ کو محبت نے مجبور کیا، ابوالفضل کو سوتے سے جگایا، تینون باپ بیٹے گھر سے نکل کھڑے ہوئے، لیکن کچھ معلوم نہ تھا کہ کہان جاتے ہین، چلتے چلتے فیضی کو ایک آشنا کا خیال آیا، اُس کے گھر پہونچے، وہ ان لوگون کو دیکھ کر سخت گھبرایا، مکان کے اندر گئے تو وحشت کدہ دیکھا، وہان سے بھی چل کھڑے ہوئے، ابوالفضل نے واپس چلنے کی راے دی، لیکن فیضی نے نہ مانا، ایک شخص کا نام لیا کہ اُس کے ہان ضرور امن ملے گا، غرض اُسکے گھر پہونچے، اُس نے نہایت گرمجوشی کا اظہار کیا، دو

[1] آئین اکبری مین یہی سنہ ہے، لیکن تعجب ہی کہ خود ابوالفضل نے اکبرنامہ مین فیضی کے اول مرتبہ دربار مین پہونچنے کو بارھوین سال کے واقعات مین بیان کیا ہے،

دن تک یہان ٹھہرے، اُدھر مخالفون نے اکبر کو برہم کرکے فرمان شاہی صادر کرایا تھا کہ شیخ مبارک کا سارا خاندان دربار مین حاضر کیا جائے، شاہی چوبدار شیخ مبارک کے گھر پہونچے، اور چاردن طرف پہرے بیٹھ گئے[۱]، ابوالخیر فیضی کا چھوٹا بھائی گھر مین تھا، اسکو پکڑکر بادشاہ کے سامنے لے گئے، شیخ کے دشمنون کو اکبر کے بھڑکانے کا موقع ملا کہ شیخ کے دل مین چور نہ ہوتا، تو روپوش کیون ہوجاتا، اکبر کو مخالفون کی سختی اور جوش انتقام دیکھ کر رحم آیا، درباریون سے کہا، ایک غریب گوشہ نشین کی جان کا دشمن بننا کیا ضرور ہے شیخ اکثر سیر کو نکل جاتا ہے، اس وقت بھی کہین چلا گیا ہوگا، اس بیچارے لڑکے (ابوالخیر) کو کیون پکڑ لائے ہو، غرض ابوالخیر چھوڑ دیا گیا، اور پہرا بھی اُٹھ گیا،

دشمنون نے اب بادشاہ کی زبان سے جھوٹی خبرین مشہور کرنی شروع کین کہ شیخ مبارک اور فیضی معتوبان بارگاہ ہین، چندروز کے بعد صاحب خانہ نے بے اعتنائی شروع کی، شیخ کو کھٹکا ہوا، کہ خود صاحب خانہ کہین پکڑوانہ دے، رات کو بے سروسامانی کے ساتھ وہان سے نکلے، اتفاق سے ایک شاگرد راہ مین مل گیا، اُس نے لے جاکر مہمان رکھا لیکن اُسکی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا، بالآخر یہ راے ٹھہری کہ اس شہر سے نکل جانا چاہیے، فیضی بھیس بدل کر نکلا اور ایک امیر کے پاس جس سے قدیم ملاقات تھی گیا، اُس نے میزبانی کو اپنا فخر سمجھا، کچھ ترک جوان ساتھ کردیے کہ شیخ کو ساتھ لائین، آدھے بجے فیضی نے جاکر باپ بھائی کو یہ مژدہ سنایا، سب نے بھیس بدلے اور غیر معروف راستون سے

[۱] اکبرنامہ مین اس واقعہ کی تاریخ ۲۰- ربیع الاول ۹۷۴ھ ہجری بیان کی ہے،

امیر کے پاس پہونچے، دس دن تک یہان اطمینان سے گذرے، لیکن دشمنون نے امیر کو دربار مین پکڑ دا بلایا، مجبوراً یہان سے بھی نکلنا پڑا، چلتے چلتے ایک باغ نظر آیا ٹھہر گئے کہ ذرا آرام لے لین، بدقسمتی سے جاسوسون کا ایک گروہ، جو شیخ کی تلاش مین ہر طرف پھرتا تھا، باغ کے پاس اُترا ہوا تھا، یہان سے بھی گھبرا کر نکلے، راستہ مین ایک باغبان نے پہچانا، اور دلدہی کر کے اپنے گھر لے گیا، باغبان کا آقا باہر سے آیا، تو اُس نے شیخ سے شکایت کی کہ میرے ہوتے آپ نے کیون اس قدر تکلیف اُٹھائی، چونکہ شیخ کے قیافے سے بے اطمینانی ظاہر ہوتی تھی اُس نے چور گھر مین لے جا کر رکھا کہ آپ اطمینان سے رہیے، مہینے سے کچھ اوپر یہان قیام کیا،

چونکہ اکبر اس زمانے مین فتحپور مین رہتا تھا، فیضی آگرہ سے فتحپور گیا کہ ان مصیبتون سے بچنے کی کوئی تدبیر نکالے، لیکن قسمت کی گردش یہان بھی ساتھ تھی، فیضی نے جب اپنی مظلومی کی داستان سُنائی، تو درباریون مین سے ایک نیک دل امیر کو اسقدر جوش آیا کہ اُسی وقت اُٹھا اور دربار مین بغیر اسکے کہ شاہی آداب بجالائے، گستاخانہ لہجے مین کہا، کہ اس ظلم کی کچھ انتہا ہی؟ اکبر نے کہا خیر ہی؟ امیر نے کیفیت واقعہ بیان کی، اکبر نے کہا تم کو خبر بھی ہی؟ تمام علما نے فتوے تیار کیے ہین، اور مجھ کو چین لینے نہین دیتے کہ جہان سے ہو شیخ مبارک کا خاندان ڈھونڈھ کر پیدا کیا جائے، اور اُس کو سزا دیجائے، مجھ کو شیخ کا قیام گاہ معلوم ہی (یہ کہکر اکبر نے خاص چور محل کا پتا دیا، جہان شیخ کا قیام تھا) لیکن دانستہ ٹالتا ہون، کل کوئی جا کر شیخ کو دربار مین لائے،

فیضی یہ واقعہ سنکر سخت گھبرایا، راتون رات گرتا پڑتا باپ کے پاس آیا، اُسی وقت سب نے بھیس بدلے، اور گھر سے نکلے، جس مصیبت اور پریشانی مین گھر سے نکلے ہین، اُس کی تصویر ابوالفضل نے ان لفظون مین کھینچی ہے،

نورستان آفتاب دتاریک ہاے بدگوہر، وہجوم مسالک شہر، وہنگامہ
پژوہندگانِ نافرجام، ویا ورنا پدید، و بار اندازنایافت، قلم چہ بین زچہ یارا
کہ قدرے ازان حال گزارد،

غرض ایک ویرانے مین جاکر پناہ لی، چونکہ یہ معلوم ہوچکا تھا کہ بادشاہ اپنی ذات سے مہربان ہے، اس لیے یہ رائے ٹھہری کہ پاے تخت مین چلکر بادشاہ تک رسائی کے سامان پیدا کیے جائین، ایک امیر سے پُرانی ملاقات تھی، اُس کے پاس گئے، اُس نے کہا کہ پہلے آتے تو معاملہ آسان تھا، اب حضور کے دل مین بھی رنج آگیا ہے، یہان رہنا کسی طرح مناسب نہین، یہ کہکر گاڑی منگوائی اور اُس مین بٹھا کر ایک گانوٗن مین بھجوادیا، وہان پہونچکر معلوم ہوا کہ گانوٗن کا رئیس اس خاندان کا قدیمی دشمن ہے، غرض یہان سے بھی نکلے، اور ایک اور گانوٗن مین پہونچے،

یہان بھی ایک مفسد کا سامنا ہوا، اب پھر پھراکر آگرے مین آئے، اور ایک دوست کے گھر ٹھہرے، دو مہینے تک یہان قیام رہا، صاحب خانہ نیک دل اور نیک طینت تھا، اور چند لوگ بھی شیخ کے طرفدار پیدا ہوگئے، دربار شاہی مین تقریب ہوئی ۹۸۲ھ (۱۲ جلوس) ہجری مین اکبر نے بڑے احترام سے بلایا، ابوالفضل کی طبیعت مین اس وقت تک نہایت

آزادی اور بے پروائی تھی، اُس نے دربار مین جانے سے انکار کیا، فیضی گئے اور شاہانہ نوازش سے بہرہ یاب آئے[1]، آئین اکبری مین اس موقع پر پہونچکر ابو الفضل پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور بے اختیار یہ رباعی اس کی زبان سے نکلتی ہی،

ای شب نہ کنی آن ہمہ پرخاش کہ دوش — رازِ دل من چنان مکن فاش کہ دوش
دیدی چہ دراز بود دوشینہ شبم — ہان ای شب وصل آن چنان باش کہ دوش

فیضی جس شان سے دربار مین پہونچا ہی، شہنشاہ نے جس طرح اُسکی قدر افزائی کی ہی، حاسدون نے جس نگاہ رشک سے اس کو دیکھا ہے، دربار کی جو خدمتین اُس کو سپرد ہوئی ہین، ان سب حالات کو فیضی نے ایک قصیدے مین لکھا ہی، ہم اسکے جستہ جستہ اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین،

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی — رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی
مبشرانِ سعادت ندا کنان کہ بخوان — نجات نامۂ خود اے حزین زندانی
مرا نظارہ اش از دور بیقراری داد — چہ بیقراری با صد قرار ارزانی
بہ بوسہ کردم پایش نگار ازان غافل — کہ کار گردد دشوار در قدم رانی

[1] یہ تمام تفصیل آئین اکبری مین ہی، تعجب یہ ہی کہ ابو الفضل نے فیضی کے پہلی مرتبہ دربار مین پہونچنے کے تذکرہ مین ان واقعات کو لکھا ہے، لیکن اس قدر اختصار کیا ہے کہ واقعہ کی صورت بدل گئی ہی، اور بعض بعض باتین دونون بیان مختلف اور متناقض معلوم ہوتے ہین،

شدم سوار سُبک گام توسنے چالاک | کہ کردی از سرِ دانش سپہر جولانی
خبر بہ بارگہ شہریار شد کانیک | رسید بردرِ فردوس مرغ بستانی
خطاب شد کہ تلطف کنان رسانندش | بہ آسمانِ سعادت زتیرہ ظلمانی
نخست بوسہ زدم خاک آستان یعنی | بہ چشمہ سار رساندم شفاہ (لب) عطشانی
اشارہ رفت کہ در پیش گاہ مجلس اُنس | شگفتہ دل بنشینی و شوق بنشانی
بہ پیش پایۂ اورنگ شاہ بنشستم | زبان ناطقہ لب ریز در ثنا خوانی
بگونہ گونہ تلطف شہنشہم بنواخت | کہ پایہ پایہ فرود آمدم ز حیرانی
حدیثِ من بشہنشاہِ بندہ پرور بود | چو با خدائے، کلام کلیم عمرانی (یہ ایک لقب ہے)
بگفت خیرد علم از قلم بکش کاین روز | مُسلّم است ترا کشورِ سخن رانی
زبان بنکتہ بجنبان کہ در بدائع نظم | فرزدقی بتو ارزانی ست و حسّانی
رسید حکم کہ از نکتہ سنجی شعرا | بہ عرض ما برسان آن قدر کہ بتوانی
زبان وری کہ دگر با تو در سخن پیچد | سزد بدست ادب گردنش بہ بیچانی
چہ گویم آن کہ ز لطفش چہ طرف بر بستم | زہر چہ لازمہ خانی ست و ترخانی (ایک لقب ہے)

یہ تمام داستان (قصیدہ کو چھوڑ کر) **ابوالفضل** نے آئین اکبری کی خاتمہ مین لکھی ہی لیکن اس تصریح کو دانستہ قلم انداز کر گیا، کہ **شیخ** کے خاندان پر یہ تمام آفتین کس کی بدولت آئین؟ اور دربار کے تقرب کا سبب کون ہوا؟ اس کے علاوہ ابوالفضل کے بیان سے یہ بھی نہین کھُلتا کہ اس قدر مخالفت اور کینہ پروری کے اسباب کیا تھے؟ اسلیے ان بہامات

کی تفصیل ذیل مین کی جاتی ہی،

اکبر کے ابتدائی دور مین دو شخص مذہبی حیثیت سے نہایت جاہ و اقتدار رکھتے تھے مخدوم الملک، اور شیخ عبدالنبی، مخدوم الملک کا نام عبداللہ انصاری ہی، شیر شاہ نے اپنے عہد سلطنت مین ان کو صدرالاسلام کا خطاب دیا تھا، سلیم شاہ ان کو اپنے تخت پر بٹھاتا تھا ہمایون نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا، بیرم خان نے لاکھ روپے سالانہ تنخواہ مقرر کی تھی[1]،

شیخ عبدالنبی جو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے نواسے تھے، صدارت پر ممتاز تھے، یعنی جس قدر مذہبی اوقاف اور جاگیرین تھین، سب کا انتظام انکے ہاتھ مین تھا، انھون نے اکبر کو اس قدر اپنا گرویدہ کیا تھا کہ اکبر انکے گھر پر جاکر ان سے حدیث پڑھتا تھا، انکے فیض صحبت سے اکبر کی مذہبی خودرفتگی کی یہ نوبت پہونچی کہ اپنے ہاتھ سے مسجد مین جھاڑو دیتا تھا،

ایک دفعہ سالگرہ کی تقریب مین اکبر نے کپڑون پر زعفران کا رنگ چھڑکا، شیخ عبدالنبی نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ لکڑی اٹھاکر ماری، اکبر کو ناگوار ہوا محل مین جاکر مریم مکانی (اکبر کی والدہ) سے شکایت کی کہ بھرے دربار مین ذلیل کرنا مناسب نہ تھا، مریم مکانی نے کہا کہ بیٹا دل پر میل نہ لانا، یہ نجات اخروی کا سبب ہی، قیامت تک چرچا رہیگا کہ ایک مفلوک الحال نے بادشاہ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا، اور اس نے برداشت کیا[2]،

---

[1] مآثر الامرا، تذکرہ مخدوم الملک

[2] مآثر الامرا، جلد دوم، صفحہ ۵۶۰، حالات شیخ عبدالنبی، صدرالاسلام،

یہ دونوں بزرگ جس قدر دیندار تھے، اُسی قدر جاہلانہ تعصب رکھتے تھے، جیسا کہ عام طور پر دینداری کا مقتضیٰ سمجھا جاتا ہے، ان لوگوں نے اکبر کو آمادہ کیا کہ ملک میں جو بدعقیدہ لوگ ہیں، ان کا استیصال کر دیا جائے، چنانچہ عام دار وگیر شروع ہوئی، اور بہت سے لوگ قتل اور قید کیے گئے، مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی نے اکبر سے کہا کہ شیخ مبارک بھی بدعتی ہے، اس کو سزا ملنی چاہیے، چنانچہ اُسی وقت محتسب متعین ہوئے کہ شیخ کو پکڑ لائیں شیخ گھر میں نہ تھا اس کی مسجد کا منبر توڑ کر چلے آئے۔

ایک دفعہ ایک مجلس میں شیخ عبد النبی، یا مخدوم الملک (ابو الفضل نے آئین اکبری میں صاف نام نہیں لیا، بلکہ لکھا ہے کہ سرآمد فتنہ جویان) سے اس قسم کی سختیوں کے متعلق ابو الفضل سے بحث ہو گئی، ابو الفضل نے دلائل سے ان کو بند کر دیا،

اسی زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے فیضی شیخ مبارک کو ساتھ لیکر شیخ عبد النبی کے پاس گیا، اور اپنی شکستہ حالی کا اظہار کر کے کچھ مدد معاش کی درخواست کی شیخ نے تشیع کا الزام لگا کر، نہایت ذلت کے ساتھ نکلوا دیا،[1]

اب یہ دونوں بزرگ اس خاندان کے استیصال پر آمادہ ہوئے، علما سے فتوے لے کر جاسوس متعین کیے کہ شیخ کو ڈھونڈھ لائیں، تمام ملک میں مشہور کرا دیا کہ شیخ کے خاندان کے لیے دربار سے قتل کا حکم ہو چکا ہے شیخ نے پہلے شیخ سلیم چشتی کی خدمت

---

[1] بدایونی، صفحہ ۱۹۸،

[2] مآثر الامرا، جلد دوم، صفحہ ۵۷۵ و ۵۷۶،

مین التجا کی کہ میری جان بچائیے، شیخ سلیم نے کچھ زاد راہ بھیج کر کہلا بھیجا کہ سرِدست مصلحت یہی ہی کہ کہین نکل جائیے، یہان سے نا اُمیدی ہوئی تو میرزا عزیز کے پاس[1] گیا، مرزا عزیز کی ماں کا دودھ اکبر نے پیا تھا، اسلیے وہ اکبر کی خدمت مین نہایت گستاخ تھا، ابو الفضل نے آئین اکبری مین جو لکھا ہی کہ ایک امیر نے اکبر کے سامنے نہایت گستاخانہ سفارش کی، اس سے مرزا عزیز ہی مراد ہے، مرزا عزیز نے بارہا اکبر کو سر دربار سخت سُست کہا اور اکبر یہ کہکر چُپ ہو جاتا تھا کہ کیا کرون میرے اور عزیز مرزا کے بیچ مین دودھ کا دریا حائل ہی، (دودھ بھائی ہونے کا یہ پاس ہوتا تھا) میرزا عزیز ہی کے توسل سے فیضی کے خاندان کو دربار مین رسائی ہوئی،

اکبر مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی کی تنگ خیالیون سے تنگ آ چکا تھا اور ان لوگونکے زور کو گھٹانا چاہتا تھا، لیکن خود جاہل تھا اسلیے مذہبی فتوونکا مقابلہ نہین کر سکتا تھا، فیضی اور ابو الفضل دربار مین پہونچے تو اکبر کو گویا اوزار ہاتھ آگئے، ان لوگون نے ہر موقع پر ان متعصبون کو شکستین دین، اور ان کا سارا بھرم کھل گیا، چنانچہ تفصیل اس کی آگے آئے گی،

فیضی کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا، لیکن اس نے دربار کی کوئی خدمت اختیار نہ کی، طبیب تھا، مصنف تھا، شاعر تھا، اور انھین مشغلون مین بسر کرتا تھا، شہزادون کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اس سے متعلق تھا، چنانچہ ۲۴ سنہ جلوس مین شہزادہ دانیال

---

[1] بدایونی صفحہ ۱۹۹،

کی تعلیم و تربیت سپرد ہوئی، اور تھوڑے ہی دنون مین فیضی نے اسکو ضروری مراتب سکھا دیے[1]، جہانگیر نے تزک مین لکھا ہی کہ شہزادہ دانیال ہندی (برج بھاکا) کی شاعری سے واقف تھا اور خود بھی کہتا تھا، یہ فیضی ہی کی صحبت کا اثر ہوگا، اسی سنہ مین اکبر نے اجتہاد و امامت کے دعوے سے مسجد مین جاکر خطبہ پڑھا، یہ خطبہ فیضی نے لکھا تھا، چنانچہ تفصیل اس کی آگے آئے گی۔

سنہ ۲۵ جلوس مین اکبر نے اظہار عقیدت کے لیے شہزادہ دانیال کو اجمیر کی زیارت کے لیے بھیجا تو فیضی کو بھی اسکے ساتھ متعین کیا۔

اکبر نے شیخ عبدالنبی کا زور توڑ کر صدارت کے ٹکڑے کر دیے تھے، چنانچہ سنہ ۹۹۰ ہجری مین، آگرہ، کالنجر اور کالپی کی صدارت فیضی کو دیگئی، سنہ ۹۹۳ (۳۰ جلوس) ہجری مین جب یوسف زئی پٹھانون پر اکبر نے فوجین بھیجین تو فیضی بھی اس مہم پر مامور کیا گیا،

سنہ ۹۹۶ ہجری مین جو اکبر کی تخت نشینی کا تینتیسوان سال تھا فیضی کو ملک الشعراء کا خطاب ملا، عجیب اتفاق یہ کہ اس سے دو ہی تین دن پہلے فیضی نے ایک قصیدہ لکھا تھا،

آن روز کہ فیض عام کردند — مارا ملک الکلام کردند
از بہر صعود فکرت من — آرایش ہفت بام کردند
مارا بتمام در ربودند — تا کار سخن تمام کردند

سنہ ۹۹۷ ہجری مین اکبر نے کشمیر کا سفر کیا تو فیضی بھی ساتھ تھا، قصیدہ کشمیر یہ اسی سفر

[1] اکبر نامہ نولکشوری، صفحہ ۲۲۵، جلد سوم ۱۲

مین لکھا ہی جسکا مطلع یہ ہی،

ہزار قافلۂ شوق می کند شبگیر
کہ بار عیش کشاید بہ خطۂ کشمیر

دکن کی حکومتون کو جب اکبر نے فتح کرنا چاہا، تو ۳۶ سنہ جلوس مطابق ۹۹۹ ہجری مین پہلے ایک ایک کے پاس سفارتین بھیجین خاندیس کی سلطنت کا فرمانروا، راجی علی خان تھا فیضی کو اس کی سفارت پر متعین کیا، فیضی کو اگرچہ یہ خدمت ناگوار تھی، لیکن قبول کرنیکے سوا چارہ نہ تھا، اس نے سفارت کے معاملات اس خوبی سے انجام دیے کہ راجی علی خان نے حلقہ بگوش بن کر آنے کی اطلاع دی، فیضی نے برہانپور مین دربار آراستہ کیا، تخت پر شاہی تلوار، خلعت اور فرمان شاہی رکھا گیا، راجی علی خان دور سے پیادہ ہوا، تخت کے قریب آکر جوتیان اُتارین، کھڑے ہوکر تین تسلیمین بجا لایا فیضی نے فرمان شاہی دونون ہاتون مین ادب سے لیکر کہا کہ حضور نے تمھارے نام فرمان بھیجا ہے، راجی علی خان نے فرمان دونون ہاتون سے تھام کر سر پر رکھا اور تین تسلیمین بجا لایا، اسی طرح خلعت اور تلوار عطا کیے جانے پر تسلیمین کین، چنانچہ فیضی نے اپنی عرضداشت مین یہ تمام امور تفصیل سے بیان کیے ہین، یہان کی مہم سے فارغ ہوکر احمد نگر مین برہان نظام شاہ سے ملا، اور سفارت کے مراتب انجام دیے،

اس سفر مین اصلی خدمت اگرچہ سفارت کا انجام دینا تھا، لیکن فیضی نے ملک کی ایک ایک چیز پر بصیرانہ نظر ڈالی، اور بادشاہ کو عرضداشت مین مفصل رپورٹ بھیجی، مثلاً راستون کا کیا انتظام ہی، عہدہ دار اپنی خدمتون کو کیونکر انجام دیتے ہین، شہر دنین رفاہ عام کی

کیا کیا عمارتین ہین، قلعون کی کیا حالت ہی، زمین کیسی ہی پیدا وار کیا کیا ہی، پھل کیا کیا پیدا ہوتے ہین، صنعت کے کارخانے کہان کہان ہین، چنانچہ اس رپورٹ کے جستہ جستہ فقرے ہم درج کرتے ہین،

بلوچی کہ بہ فوجداری مقرر شدہ نزدیک بہ تنگی کوہ درمیان لدھیانہ و سرہند چسپیدہ است، دزدانے کہ از کوہ فرود می آیند، بہ او ہم حق نذری می دہند، یعقوب بدخشی خدمت فوجداری وعملداری تھانیسر و پرگنات ہر دو بواجبی می تواند کرد،

چون بہ دھول پور رسید، سرائے دید از سنگ بغایت رفیع، کہ صادق خان ساختہ، و متصل آن حمام گرمے می باشد، و باغے دلکشا مشتمل بر عمارت دلکش، پسرش رشید آن جا بود، سیر قلعہ گوالیار نیز کردہ شد،

و سجادل پور خواجہ امین خویش وزیر خان بہ رعایا سلوک خوب کردہ و تقاوی دادہ و پرگنہ معمور ساختہ، کارخانہائے پارچہ بافی ترتیب دادہ کہ چیرہ و فوطہ (یعنی لنگی) برائے حضرت می بافند، برہان پور و حوالی ادانک جائے ست بغایت تنگ، اکثرے بوستان، ہر جا قطعہ زمینے بودہ مزروع شدہ، از میوہ انجیر خوب می شود، خربزہ فرنگی بشاخ درخت بست، بست دی، سی خوشہ جنبان ست، خربزہ ہندوستانی ہم ہفتہ باشد

کہ رسیدہ،،

یہ تو خاص ہندوستان کے حالات تھے، غیر ملکوں کے بھی ہر قسم کے مفید اور ضروری اور قابل اعتنا حالات بہم پہونچائے، اور عرضداشتون مین اکبر کو لکھے، مثلاً ایک عرضداشت مین لکھتا ہے،

اب کی چھ جہاز مہر مز سے چلے، خواجہ معناے عمدۃ التجار، عراقی گھوڑے لے کر آرہا تھا، فرنگیون کا قاعدہ ہے، کہ گھوڑے چھین لے جاتے ہین اور جو پسند آتا ہی رکھ لیتے ہین، تین جہاز، بندر گاہ چول مین سلامت آئے، حسن قلی افشار اور حسین بیگ لشکر نویس جو صفویہ سلطنت کے عہدہ دار ہین، آستان بوسی کے ارادہ سے آتے ہین، یہ لوگ اپنے حرم کو بھی ساتھ لاتے ہین، شاہ عباس صفوی کا سن بیس برس کا ہے، تفنگ اندازی اور چوگان بازی وغیرہ کا شیفتہ ہے، پارسال دو مرتبہ گھوڑے سے گرا شجاعت اور بہادری اس کے حالات سے ظاہر ہی، ابھی تک کاروبار خود اپنے ہاتھ مین نہین لیے، فرہاد خان وکیل، اور حاتم بیگ وزیر اعظم تمام کامون کو انجام دیتے ہین، پارسال عباس نے خراسان پر لشکر کشی کرنی چاہی تھی، ہرات پہونچکر فوج مین طاعون پھیلا، اسلیے واپس گیا،

اسی طرح ایران اور روم کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہین، اور جن باتون کو پالیٹکس سے تعلق ہی، ان کے ساتھ خاص اعتنا کرتا ہے، ان خطوط کے پڑھنے سے

معلوم ہو سکتا ہی، کہ وہ کس قدر ملکی معاملات کی تہ تک پہونچتا تھا۔

اس عرضداشت مین ملک قمی اور ظہوری کی بھی تقریب اور نہایت تعریف کی ہی اور ان کے عمدہ اشعار نقل کیے ہین، ان کے علاوہ اور ہر فن کے ارباب کمال کا ذکر کیا ہی، بیچ بیچ مین دلچسپ اور لطیف حکایتین بھی لکھتا جاتا ہے،

غرض ایک برس آٹھ مہینے چودہ دن اِن اطراف مین رہا، اور سفارت کا کام نہایت خوبی سے انجام دے کر سنہ ۱۰۰۱ھ ہجری مین پایۂ تخت مین آیا،

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ فیضی کو ملکی معاملات سے کبھی سروکار نہین پڑا تھا، وہ شاعر اور حکیم تھا اور یہی اُسکا اصلی مذاق تھا، لیکن اُس زمانے مین تعلیم کے طریقے کی یہ خوبی تھی کہ ایک عالم کو جس قسم کی خدمت دے دیجاے اسکو انجام دے سکتا تھا، آجکل کا سا حال نہ تھا کہ مولوی اور عالم، مُردہ شوئی اور جنازہ خوانی کے سوا، اور کسی کام نہین آسکتے،

سنہ ۱۰۰۳ھ ۳۹ جلوس مین اکبر نے اصرار کے ساتھ خواہش کی کہ نظامی کے خمسہ کا جواب لکھا جائے، اور نل دمن سے آغاز کیا جائے، چنانچہ فیضی نے نل دمن چار مہینے مین پوری کر کے پیش کی، تفصیل اس کی آگے آئے گی،

اسی زمانے مین فیضی کو دمہ کا عارضہ ہوا، اور بیماری کے آغاز مین یہ رباعی کہی[1]،

دیدی کہ فلک چہ زہرہ نیرنگی کرد | مرغ دلم از قفس شب آہنگی کرد
آن سینہ کہ عالمے درو می گنجید | تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

۱؎ مآثر الامراء،

یہ شعر اکثر زبان پر رہتا تھا،

گر ہمہ عالم ہمہ آیند تنگ   بر نہ شود پلّہ یکے مُوئے لنگ

حکیم مصری اس زمانے کا نہایت مشہور معالج تھا، اس نے بڑی مستعدی سے علاج کیا، لیکن موت کا کیا علاج تھا، مرنے سے دو دن پہلے غفلت طاری رہتی تھی، اکبر کو خبر ہوئی، اسی وقت پہونچا، **فیضی** نے آنکھین کھولین، اور آداب بجالایا، اکبر نے خدا کو سونپا اور اُٹھ کر چلا آیا، ابوالفضل نے تیمارداری کے لیے بادشاہ سے چار دن کی رخصت لی، عین نزع کے وقت آدھی رات کو اکبر کو خبر ہوئی، بیقراری کی حالت مین آیا، اور فیضی کا سر ہاتھ مین لے کر دو تین دفعہ پکار کر کہا، شیخ جیو! (اکبر اسی لقب سے فیضی کو خطاب کیا کرتا تھا) مین حکیم علی کو علاج کے لیے لایا ہون، آپ بولتے کیون نہین؟ شیخ نے جب کچھ جواب نہ دیا، تو سر سے پگڑی اُتار کر پھینک دی اور ابوالفضل کو تسلی دے کر چلا آیا[۵۳]، صفر سنہ ۱۰۰۴ھ (۴۰ جلوس) ہجری مین انتقال کیا،

عام حالات اور اخلاق وعادات **فیضی** پر اگرچہ بظاہر شاعری کا احسان ہی کہ آج اُس کو جو شہرت ہے، اسی نام سے ہی لیکن حقیقت مین شاعری ہی نے اس کے تمام کمالات کو مٹا دیا، ملا عبدالقادر بدایونی سے بڑھ کر اس کا دشمن کون ہوگا تاہم اسکا تذکرہ ان لفظون سے شروع کرتے ہین،

درفنون جزئیہ از شعر و معما و عروض وقافیہ وتاریخ ولغت وطب وانشا

---

۵۱ بدایونی حالات حکیم مصری، ۵۲ اکبرنامہ، ۵۳ بدایونی،

عدیل در روزگار نہ داشت،

علوم متداولہ مین سے، اسکو فقہ، مناظرہ، سیاق اور تاریخ و محاضرات سے رغبت نہ تھی، چنانچہ ایک قطعہ مین خود لکھتا ہے،

ایا حریف درین بزمگاہ فیضی را — گمان مبر کہ زخیلِ تہی سبویان ست
بکوہ و دشت معانی کہ مرغ پر نزند — بہ چابکی تعقّل دو اسپہ پویان ست
مگر مسائلِ فقہ مقلدانِ ہوا — کہ علم حیلہ گران و بہانہ جویان ست
مُغاجرات فرائض کہ کس مخوانا دش — ازو مپرس کہ او علم مُردہ شویان ست
دَرِ خلاف و جدل ہم بخویشتن نکشود — کہ آن مقدمۂ جنگ تندخویان ست
سیاہ نامۂ اہل سیاق ہم ننوشت — کہ کار تیرہ درونان سخت پویان ست
مدار حرف بتاریخ ہم مدار کہ آن — فسانہاے ملال دروغ گویان ست

ایشیائی درباروں مین خوشامد اور تملق کے بغیر کوئی شخص فروغ نہین پاسکتا، لیکن فیضی نے علم کی آبرو قائم رکھی، اس نے یہ گوارا کیا کہ باوجود اس قدر تقرب اور ہمنشینی کے اسکا منصب چار صدی سے نہ بڑھا، حالانکہ ابوالفضل اسکا چھوٹا بھائی دو نیم ہزاری تھا، لیکن اورون کی طرح اس نے عزت نفس کو برباد نہین کیا، صاحب مآثر الامرا فیضی سے خوش نہین، تاہم فرماتے ہین،

پیش آمد و مصاحبت شیخ در پیشگاہ خلافت بہ عنوان علم و کمال بود، زیادہ بر چہار صدی منصب نیافت،،

کتب خانہ

شیخ کا اصلی مذاق، علم وفن کی خدمت تھی، کتابون کا نہایت شایق تھا، ایک گران بہا کتب خانہ جمع کیا تھا جس مین ۶۰۰۴ کتابین تھین، اور اکثر خود مصنف کے ہاتھ کی یا اُن کے زمانے کی لکھی ہوئی تھین، یہ کتابین تین قسم کے علوم وفنون پر مشتمل تھین، طب[1]، نجوم وموسیقی، حکمت[2] وتصوف وہیئت وہندسہ، تفسیر[3] وحدیث وفقہ وغیرہ[4]، دوستون کو اکثر خطوط مین کتابون کے بہم پہونچانے کی فرمایش کرتا ہے، ایک دوست کو لکھتا ہی،

از کتب حکمت باقسامہا انچہ بہم رسد بجہت فقیر بگیرند وبہر بہاے کہ باشد،

اجمیر مین ایک دفعہ کسی نے کہا کہ فلان صاحب نے میر ہزارہ کے ہاتھ سعید ہروی کا دیوان بھیجا ہی، فوراً اُنکے گھر پہونچا، اور کتاب کا تقاضا کیا، امیر خسرو کے تغلق نامہ کا ایک نسخہ ہاتھ آیا، لیکن اول وآخر سے ناقص تھا، ایک دوست کو لکھتا ہے،

بہ یکے از خدمتگاران امر فرمایند کہ بہر خطے مسودہ نمودہ بجہت بندہ مصحوب حاملان عریضہ فرستند،

فیاضی

نہایت فیاض اور سخی تھا، اہل کمال کے لیے اس کا گھر مہمان سرائے عام تھا، عرفی ایران سے آیا تو اول اسی کا مہمان ہوا اور بہت دنون تک اسکے گھر پر مقیم رہا، اس کی تفسیر کی تاریخ حیدر معمائی نے سورۂ قل ہو اللہ سے نکالی، تو دس ہزار روپے صلہ مین ملے[5]

---

[1] کتب خانہ کے متعلق یہ تفصیل بدایونی نے فیضی کے تذکرہ مین لکھی ہی،

[2] مآثر الامرا، ذکر فیضی،

فقرا اور اہل دل کا نہایت گرویدہ تھا اور اکثر بزرگون کے مزار پر حاضر ہوتا تھا، درویش
خواجہ فریدالدین شکر گنج کی خدمت مین خاص ارادت تھی، ان کے مزار پر جب گیا ہے تو
کئی قطعے لکھے ہین، ایک یہ ہے،

سفر گزیدہ ترین نعمتے ست در عالم — زبہر ذوق خدا دانی و خدا بینی
درین سفر زپے طوفِ اولیاے عظام — کہ بودہ اند شہان در لباس مسکینی
رسید بہر طواف مزار گنج شکر — کہ کردہ زیر سرش نہ سپہر بالینی
بلے چو خوان کرم اہل نعمت آرایند — بروے مائدہ آخر کشند شیرینی

ایک اور قطعہ ہے،

قطب بانی فریدالدین شکر گنج آنکہ خلق — در مقام او بہ صد رنج سفر پے بردہ اند

دو تین شعر کے بعد کہتا ہے،

طوطیان دیدیم در پرواز گرد مرقدش — گوئی اینہا ہم بآن گنج شکر پے بردہ اند

ایک دوست کو لکھتا ہے،

"در احوال ذکر مشائخ ہند، انچہ داشتہ باشند، از ملفوظات وغیرہ ہمہ
ہمراہ آرند، البتہ بدست عزیزے کتابے در احوال مشائخ ہند بود
موسوم بہ تذکرۃ الاصفیا، اگر دران شہر بہم رسد، بہم رسانند، کہ بسیار
مطلوب ست"

رشک و حسد اور ناتوان بینی شعرا کا عام خاصہ ہے لیکن فیضی تمام معاصرین کا نام

نہایت عزت اور محبت سے لیتا ہے، اور دربار شاہی مین اُنکی سفارش کرتا ہی، اکبر کو ایک عرضداشت مین لکھتا ہی،

در احمد نگر دو شاعر خاکی نہاد صافی مشرب اند و در شعر رتبہ عالی دارند یکے **ملک قمی** کہ بہ کس کمتر اختلاط می کند، و ہمیشہ مژۂ ترے دارد، دیگر **ملا ظہوری** کہ بغایت رنگین کلام ست، و در مکارم اخلاق تمام عزیمت آستان بوس دارد،

دونون کے اشعار بھی نقل کیے ہین،

ملک قمی کا دیوان اوّل اوّل فیضی ہی دکن سے اپنے ساتھ لایا[1] **غزالی** شاعر مرا تو اُس کی تاریخ کہی،

قدوۂ نظم، **غزالی** کہ سخن — ہمہ از طبع خداداد نوشت

عقل، تاریخ وفاتش بدو طور — سنہ نہ صید و ہشتاد نوشت

عرفی کی نسبت، عام طور پر یہ مشہور ہی کہ فیضی اس سے جلتا تھا، اور دونون مین ہمیشہ نوک جھوک رہتی تھی، چنانچہ اس قسم کے قصے، خافی خان اور بدایونی نے بھی نقل کیے ہین، لیکن فیضی کے مکاتیب موجود ہین، اس مین ایک دوست کو خط لکھا ہی، اور عرفی کی اس قدر تعریف کی ہی کہ اس سے زیادہ نہین ہوسکتی، ہم اُسکے خاص الفاظ عرفی کے حال مین نقل کرین گے۔

---

[1] بدایونی، تذکرۂ ملک قمی

نہایت حلیم اور نیک نفس تھا، ملا عبدالقادر بدایونی کا برتاؤ جو اسکے ساتھ تھا، اسکا اندازہ اُن الفاظ سے ہو سکتا ہے جو ملا صاحب نے اس کی نسبت استعمال کیے ہین چنانچہ اسکے حالات مین لکھتے ہین،

مُخترع جدو ہزل و عُجب و کبر و حقد و مجموعۂ نفاق و خباثت و ریا و حُب جاہ و خیلا و رعونت بود، در واشے عناد و عداوت با اہل اسلام و طعن در اصل اصولِ دین و اہانتِ مذہب و مذمت صحابہ کرام و تابعین و سلف و خلف متقدین و متاخرین و مشائخ و اموات و احیا و بی ادبی و بے تحاشی نسبت بہمہ علما و صلحا و فضلا سرًا و جہارًا لیلًا و نہارًا ہمہ یہود و نصاری و ہنود و مجوس بر و ہزار شرف داشتند،

لیکن **فیضی** کا سلوک ملا صاحب کے ساتھ یہ تھا کہ ملا صاحب جب دربار اکبری سے معتوب ہوئے تو سنہ ہجری مین اُس نے احمد نگر سے ایک خط اکبر کو لکھا، جسمین ملا صاحب کے کمالات کی بے انتہا تعریف کی، اسکے علمی اور اخلاقی کمالات آٹھ دس سطرین گنائے ہین، آخر مین لکھا ہے کہ گویا مین خود حضور کی درگاہ مین حاضر ہو کر نامبردہ کے اوصاف عرض کر رہا ہون، اور نہ کرتا تو حق پوشی کا مجرم ہوتا، ملا صاحب کی غیرت کی داد دینی چاہیے کہ خود اس خط کو اپنی کتاب مین نقل بھی کیا ہے، اور چونکہ یہ کھٹکا بھی تھا کہ لوگ کیا کہین گے اسلیے فرماتے ہین،

اما چہ توان کرد کہ حق دین و حفظ عہد آن بالاتر از ہمہ حقوق ست الحب للہ والبغض للہ

ملا صاحب اور اُن کے تمام پیرؤن نے متفقاً فیضی کو ملحد، بیدین، زندیق اور کافر لکھا ہی، ملا صاحب نے یہ بھی لکھا ہی کہ فیضی مرنے کے وقت کُتون کی طرح بھونکتا تھا، اور اسکے ہونٹھ سیاہ ہو گئے تھے، لیکن حقیقت یہ ہی کہ یہ لوگ فیضی کے رتبہ کو سمجھ نہین سکتے تھے وہ جو حکیمانہ خیالات ظاہر کرتا تھا، ان لوگون کو الحاد اور زندقہ نظر آتا تھا، فیضی کے مذہب اور اسکے خیالات سے اسکا دیوان بھرا پڑا ہے، اسکے پاکیزہ خیالات خود اُس کی زبان سے سنو،

ما طائر قدسیم نوا را نشناسیم | مرغ ملکوتیم ہوا را نشناسیم
بُرہانِ ثبوتیم زما نفی نیاید | از ما نعم آموز کہ لا را نشناسیم
در کشف حقایق سبق آموز ضمیریم | ترتیب دلیلِ حکما را نشناسیم
با اہل جدل نکتۂ توحید نہ گوئیم | در وحدت حق چون و چرا را نشناسیم
اصحاب یقینیم، گمان را نہ پسندیم | ارباب صوابیم، خطا را نشناسیم
از قافلۂ ما نتوان یافت نشانے | رقص جرس و بانگ درا را نشناسیم
نور جبروتیم، ز ظلمت نہ ہراسیم | آئینۂ صبحیم، مسا را نشناسیم
بر دانش ما انجم و افلاک بخندند | گر صاحب لولاک لما را نشناسیم
صد شکر کہ ما پیرو اصحاب رسولیم | در شرع، دگر راہ نما را نشناسیم

اس کے بعد چارون خلفا کے اوصاف بیان کیے ہین،

بدایونی وغیرہ کہتے ہین کہ فیضی فلسفہ کو شرع پر مقدم سمجھتا تھا، لیکن وہ خود مرکز ادوار

مین لکھتا ہے،

معنی قرآن چو ادا می کنی | این ہمہ تاویل چرا می کنی
حق ز تو با غیر مشابہ شدہ | پیش تو محکم متشابہ شدہ
فہم تو از قول نبی اجنبی | بے خبر از سرِ حدیث نبی
چون سخن از شرح مُجّج می رود | فکر تو چون حاشیہ کج می رود
طعنہ مزن این ہمہ بر اختلاف | کز پے تسہیل تو رفت اختلاف
گر بمیان در بہ طرف رفتہ اند | راہ چنان رو کہ سلف رفتہ اند
بہر ریاضی بہ ریاضت مکوش | نور الٰہی بہ طبیعی مپوش
از خط اقلیدس و سخطش مگوی | تختۂ اشکال مجسطی بشوی
بگذر ازین علم و عمل پیش گیر | ترک قوانین جدل پیش گیر

با این ہمہ وہ فراخ مشرب اور آزاد خیال تھا، اور جانتا تھا کہ متعصب مولویون نے مذہب کی جو صورت بنا رکھی ہی، یہ اسلام کی اصلی تصویر نہین، شیعہ، سُنّی، کے جھگڑون کو وہ اصل مذہب سے غیر متعلق سمجھتا تھا اور اِن خانہ جنگیون کی ہنسی اُڑاتا تھا، اکبر کی ایک عرضداشت مین لکھتا ہے کہ، ایک اُوزبک ترک ہاتھ مین دھاگا لیے پھرتا تھا، لوگون نے پوچھا یہ کیا ہی؟ بولا کہ میری مان نے دیا ہے کہ کسی رافضی کے خون سے رنگین کرلا، تو مین رکھ چھوڑون کہ میرے کفن کے سینے مین کام آئے، اسی عرضداشت مین لکھتا ہے، کہ چند احباب ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، ایک

شخص نے کہا کل اسی طرح حوض کوثر کے چار دن کونے پر خلفاے اربعہ تشریف رکھتے ہونگے، اور مومنین کو آب کوثر پلاتے ہون گے، ایک شیعہ جس کا نام محمود صباغ تھا، بولا کہ کیا فضول بکتے ہو، حوض کوثر مدور ہی اور اسکے ساقی مرتضیٰ علی ہین، یہ کہکر بھاگا،، یہ حکایتین لکھ کر فیضی حضرت خواجہ فریدالدین عطار کے یہ اشعار نقل کرتا ہے،

زنا دانی دل پُر جہل و پُر مکر گرفتار علی ماندی و بوبکر
چو یک دم زین تخیل می نرستی نمی دانم خدا را کے پرستی

فیضی پر بڑا الزام یہ ہی کہ اس نے اکبر کو لا مذہب اور ملحد بنا دیا، اس جھوٹ مین صرف اس قدر سچ ہے کہ ایک زمانے مین شیخ عبدالنبی، اور مخدوم الملک نے اس قدر تعصب پھیلا دیا تھا کہ غیر مذہب کے لوگ علانیہ قتل اور گرفتار کیے جاتے تھے، خود بدایونی کی کتاب مین متعدد واقعات ہین کہ بہت سے لوگ بدعتی اور رافضی ہونیکے جرم مین قتل کر دیے گئے، فیضی اور ابوالفضل نے اکبر کی اس تنگ خیالی کی اصلاح کی، لیکن عبدالنبی اور مخدوم الملک کا اثر ملک پر اسقدر غالب آچکا تھا کہ انکا زور توڑنا مشکل تھا، فیضی اور ابوالفضل نے علمی مجلسین قائم کرائین، جن مین درباریون کو علانیہ نظر آیا کہ ان متعصبون کے پاس لعن اور تکفیر کے سوا کوئی اوزار نہین، اس کے بعد ۹۸۶ھ ہجری ۲۴ جلوس مین ایک محضرنامہ طیار کرایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ ظل اللہ ہی، اسکو یہ منصب حاصل ہے کہ مسائل مختلفہ مین جس مجتہد کے قول کو چاہے اختیار کرے، اور وہی حجت ہوگا،،

اس محضر کی عبارت شیخ مبارک نے لکھی، اور فیضی اور ابوالفضل نے اُس پر دستخط کیے، لطف یہ کہ شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو بھی دستخط کرنے پڑے، اکبر نے یہ بھی چاہا، کہ اعلان عام کی غرض سے جمعہ کی نماز بھی پڑھائے، تاکہ منصب امامت مسلم ہو جائے، فیضی نے خطبہ لکھدیا،

بنام آن کہ مارا سروری داد ۔۔۔ دلے دانا و بازوے قوی داد

بود وصفش ز حدِّ فہم برتر ۔۔۔ تعالے شانہ، اللہ اکبر

ان کارروائیون نے متعصب مولویون کا زور توڑدیا اور اکبر کو موقع ملا کہ وہ ایک ایسی وسیع اور آزادانہ حکومت قائم کرے، جس کے سایہ مین ہندو، مسلمان، یہود نصاریٰ، سب آزادی کے ساتھ اپنے اپنے فرائض مذہبی، ادا کرسکین، اور یہی طرز حکومت خلفاے راشدین نے قائم کیا تھا،

اس مین شبہہ نہین کہ اکبر اس عالم مین حد سے تجاوز کرگیا تھا، درباریون نے اسکو بنانا شروع کیا، اور وہ بنتا گیا، وسعت مشرب مین اُس نے آتش پرستی اور آفتاب پرستی تک کی، لیکن اسمین فیضی کا کیا قصور رہا، فیضی سے جہان تک ہوسکا اُسنے ہر موقع پر مذہبی پہلو قائم رکھا، یاد ہوگا جب اکبر کے حکم سے ابوالفضل نے توریت کا ترجمہ سنانا شروع کیا اور یہ مصرع پڑھا،

اے نامی وے ززد کرسٹو (جنیرس کرائسٹ)

تو فیضی برابر سے بولا ع سُبحانَكَ لَا سِواكَ یَا هُو،

فیضی نے تفسیر ان واقعات کے بعد لکھی ہی لیکن ایک ذرہ مسلّماتِ عام کی شاہِ راہ سے نہین ہٹا، حالانکہ تفسیر مین ہر قدم پر اُسکو آزادخیالی دکھانے کا موقع حاصل تھا، ملّا صاحب تو فرماتے ہین کہ وہ تمام عقائد اسلام کا منکر تھا، لیکن وہ اُن تمام عقائد کا معترف نظر آتا ہی جنکو معتقداتِ عوام کہتے ہین، معراج کی نسبت اکثر علمائے اسلام کا خیال ہے کہ روحانی تھی لیکن **فیضی** اس پر راضی نہین چنانچہ کہتا ہے،

ره راست بروکه راه کج نیست — حاجت به دلائل و حجج نیست

آن را چه وقوف ازین مقام ست — کو منکر خرق و التیام است

سچ تو یہ ہے کہ **فیضی** کی مذہبی آزادی ہم جو کچھ سنتے ہین زبانی سنتے ہین تصنیفات مین تو وہ ملّاے مسجدی نظر آتا ہے،

فیضی اگرچہ ریاکار مولویون کو نہایت بُرا سمجھتا تھا لیکن اصلی مقدس بزرگون سے نہایت عقیدت رکھتا تھا، شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی سے اسکو نہایت خلوص تھا ایک مدت تک فتح پور مین بلاکر ان کو مہمان رکھا، پھر جب دربار کی مذہبی بدنامی پھیلی تو شیخ دلّی چلے گئے، فیضی نے بار بار بلایا لیکن شیخ نے عذر کیا، بالآخر شیخ نے ایک خط لکھا جس مین ان کو آئندہ تکلیف نہ دینے کا اظہار کیا، لیکن یہ بھی لکھا کہ خط کتابت سے دریغ نہ کیجئے گا[1]، اخیر کے فقرے یہ ہین،

اگر بال و پرے داشتم ہر روز بر بام آن حجرہ می نشستم و دانہ چیدن

---

[1] تاریخ بدایونی، تذکرۂ شیخ عبدالحق دہلوی،

نکات محبت می شدم، دیگر چہ نویسم، طلب ہائے درد انہ از ان جا دیدہ می رسد از برہ اے خدا بر من قافلہ اسرار خود در راہ نہ بندند،

ملا صاحب، ان تمام باتون کو فیضی کی ستم ظریفی سمجھتے ہین، اور فرماتے ہین کہ وہ گرمی محفل کے لئے ان بزرگون کو اپنے یہان بلاتا تھا،

اس زمانے مین نشانی صاحب ایک مُہرکن ملا صاحب کے ساختہ پرداختہ تھے، وہ فیضی کے عروج کو دیکھکر سخت جلتے تھے، اور اس کی شان مین ہجو آمیز اشعار کہا کرتے تھے، فیضی نے ایک قصیدہ لکھا تھا،

شکر خدا کہ عشق بتان ست رہبرم ۔۔۔ بر ملتِ برہمن و بر دین آذرم

اگرچہ فیضی نے اس شعر کے بعد بت اور برہمن کے معنی بتا دئے تھے کہ متداول معنی مراد نہین،

بُت چیست بورخ نگاشتہ معنی مُبین ۔۔۔ کاندر کلیسیائے ضمیر ست مضمرم

استاد برہمن کہ ز بت خانہ خیال ۔۔۔ در سجدۂ حضور فرود آورد سرم

لیکن نشانی صاحب، اس لطف کو کیا سمجھ سکتے تھے، انھون نے اس کی چوٹ پر فوراً ایک قصیدہ لکھ ڈالا،

شکر خدا کہ پیرو دین پیمبرم ۔۔۔ حب رسول و آل رسول ست رہبرم

قائل بروز حشر و قیام قیامتم ۔۔۔ امیدوار جنت و حوری و کوثرم

یہانتک بھی غنیمت ہی لیکن ایک مثنوی مین فیضی کے کمال شاعری کا بھی انکار

کرتے ہین،

دعوی ایجاد معانی مکن | شمع نہ چرب زبانی مکن
طبع تو ہرچند درِ ہوش زد | یک سخن تازہ نشد گوش زد
انچہ تو گفتی دگران گفتہ اند | دُر کہ تو سفتی دگران سفتہ اند
خانہ کہ از نظم بیاراستی | آب و گلش از دگران خواستی
تازگی آن نہ ز باران تست | از خوی پیشانی یاران تست
چند پئے نقد کسان سوختن | چشم بہ مالِ دگران دوختن
شربتِ بیگانہ فراموش کن | آب ز سر چشمۂ خود نوش کن
گر خضری آب حیات تو کو؟ | ور شکری شاخ نبات تو کو؟

ملا صاحب نے ان اشعار کو زنشانی کے حال مین، نہایت جوش سے نقل کیا ہی، خود بھی **فیضی** کے حال مین فرما چکے ہین کہ چالیس برس تک استخوان بندی کرتا رہا، لیکن ایک شعر مزہ کا نہ نکلا، لطف یہ کہ تلدمن کے ذکر مین خود لکھ چکے ہین، کہ تین سو برس سے ایسی مثنوی نہین لکھی گئی، **ملا صاحب** کی ان دورنگیون پر بے ساختہ یہ شعر یاد آتا ہے،

از ان بہ دردِ دگر ہر زمان گرفتارم | کہ شیوہ ہای ترا با ہم آشنائی نیست

فیضی کو اپنے خاندان سے نہایت محبت تھی، تفسیر مین کوئی موقع نہ تھا، لیکن اپنے آٹھون بھائیون کا ذکر کیا ہے، خطوط مین **ابو الفضل** کو علامی اخوی،

نواب اخوی، لکھتا ہی اور اس انداز سے لکھتا ہے کہ محبت کا نشہ ٹپکتا ہے، قصیدہ فخریہ مین ابوالفضل کی نسبت لکھتا ہی،

با این چنین پدر کہ نوشتم مکارمش — در فضل مفتخر زگرامی برادرم
صد سالہ درمیان من و اوست کمال — در عمر اگرچہ یک دو سہ سالے فزون ترم

۹۹۷ھ ہجری مین اکبر کے ساتھ پشاور مین تھا کہ خبر پہونچی کہ والدہ بیمار ہین، بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر لاہور پہونچا، یہان اُن کا انتقال ہو چکا تھا، بے تاب ہوگیا، اس عالم مین جو خط لکھے ہین، اُن سے خون ٹپکتا ہے، ایک دوست کو لکھتا ہے،

بالفعل حالے دارد کہ بندہ را نمی تواں شناخت، بدن در کاہش افتادہ واندوہ کارگر آمدہ، ضعف و اسہال روی نمود، و دل از حیات سرد شدہ بخدای خدا سوگند کہ از ہزار یکے نوشتہ است،

تین برس کا بچہ مرگیا، اُس کے غم مین جانگداز مرثیہ لکھا ہی،

شہ وقت آن کہ دیدہ چو دل غرق خون کنم — خون نابہ گرہ شدہ از دل برون کنم
آن غصہ کہ پیش نخوردم کنون خورم — وان نالہ کہ پیش نکردم کنون کنم
گویند غافلان رہ صبر اختیار کن — چون اختیار در کف من نیست چون کنم

اے روشنی دیدہ روشن چگونہ — من بے تو تیرہ روز تو بے من چگونہ
ماتم سرا ست خانہ من در فراق تو — تو زیر خاک ساختہ مسکن چگونہ
بر خار و خس کہ بستر و بالین خواب تست — اے یاسمین عذار سمن تن چگونہ

تصنیفات صاحب **مآثر الامراء** نے لکھا ہے کہ فیضی نے ایک سو ایک کتابین تصنیف کین، ان مین سے جن کتابون کا پتہ چلتا ہے اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

خمسہ یعنی نظامی کی پانچون مثنویون کا جواب، ان کی تفصیل خود ایک خط مین کی ہے چنانچہ لکھتے ہین،

اسامی کتب خمسہ این ست، اول **مرکز ادوار** کہ اکثرے در فتح پور گفتہ شدہ بود، دوم **سلیمان وبلقیس** کہ پیش ازین ہفت سال در لاہور بنیاد کردہ بود، وچیزے چند از ان گفتہ، سوم **نلدمن** کہ تمام شد، چہارم **ہفت کشور** کہ در احوال ہفت اقلیم گفتہ خواہد شد، پنجم **اکبرنامہ** کہ آن ہم جستہ جستہ وقتے گفتہ بود،

ان مین سے دو کتابین یعنی **نلدمن** اور **مرکز ادوار** انجام کو پہونچین اور آج بھی ملتی ہین، مرکز ادوار کی ترتیب شیخ ابو الفضل نے فیضی کے مرنے کے بعد کی، مرکز ادوار کا عمدہ نسخہ ہمارے کتب خانہ مین جو اب ندوہ پر وقف کردیا گیا موجود ہے

سنہ ۳۰ جلوس مین **فیضی** کو خمسہ کا خیال پیدا ہوا، اور سب سے پہلے مرکز ادوار شروع کی اسکے ساتھ اور مثنویون کی بھی بنیاد ڈالی، اور سب کے کچھ کچھ شعر کہے، لیکن چونکہ بہت سے مشغلے پیش آتے رہتے تھے، کوئی کتاب انجام کو نہ پہونچ سکی ۳۹ سنہ جلوس ۱۰۰۲ھ مین اکبر نے اصرار کے ساتھ کہا کہ خمسہ کو پورا کرنا چاہیے، اور سب سے پہلے نلدمن انجام پائے چونکہ ہندوؤن کا قصہ تھا، اکبر کی میلان طبع نے اس کو مقدم رکھا، چنانچہ چار مہینے مین تمام ہوئی

چار ہزار شعر ہین[1]، چنانچہ خود کہتے ہین

این چار ہزار گوہر ناب — کانگیختہ ام بہ آتشین آب

فیضی نے یہ مثنوی اکبر کی خدمت مین پیش کی، اور دستور کے موافق اشرفیان نذر کین، اکبر نہایت محظوظ ہوا، اور حکم دیا کہ خوشخط لکھوا کر جا بجا مرقعے اور تصویرین شامل کی جائین، نقیب خان کو حکم ہوا کہ وہ پڑھ کر سنایا کرے،

ملا عبد القادر صاحب بدایونی، ہر جگہ جہان فیضی کا ذکر آتا ہے بے نقط سناتے ہین لیکن یہان انکو بھی مجبور ہو کر تعریف کرنی پڑی، چنانچہ فرماتے ہین،

والحق مثنوی ست کہ درین سہ صد سال، مثل آن بعد از امیر خسرو، شاید در ہند کسے دیگر گفتہ باشد،

ابوالفضل نے اکبر نامہ مین لکھا ہے کہ سب مثنویان پوری ہوئین، لیکن کوئی عینی شہادت پیش نہین کی، بلکہ فیضی کے اشعار سے استدلال کیا ہے، لیکن جو شعر استدلال مین نقل کیے ہین، اُن سے یہ ثابت نہین ہوتا، اشعار یہ ہین،

زین ہفت رباط و چار منزل — بندم بہ جہازہ پنج محمل،
آن چار عروس ہفت خرگاہ — کاورد میان بہ نیمہ راہ
چندین اگرم امان دہد بخت — یک یک ببرم بپایۂ تخت
گر نشکندم سپہر پیمان — بلقیس برم بہ سلیمان

[1] یہ پوری تفصیل اکبر نامہ واقعات سنہ ۳۹ جلوس مین ہے،

ملدمن اور مرکزا دوار پر ریویو آگے آئے گا، **سلیمان ملقیس** کا یہ انداز ہے

آہی پردہ تقدیس بکشائے | سلیمان مرا بلقیس بنمائے
دل من با بتانِ آذری چند | سلیمانے گرفتار پری چند
چنانم از بلندی دردہ آواز | کہ آید ہُد ہُد شوقم بہ پرواز
گرہ شد ہفت دریا در گلویم | کشایش نیست ممکن تا نہ گویم
دگر رفتم کہ بگذارم مقابل | شگافِ خانہ را بار و زنِ دل

اکبر کی مہم گجرات پر ایک مثنوی لکھی تھی وہ بھی نا پید ہے، چند شعر ایک خط مین نقل کیے ہین، ملاحظہ ہون،

ہماندم اہالی و حکام شہر | کہ در شہر بودند مشہور دہر
ہمہ کردہ آویزہ دست خویش | کلیدِ درِ گنج شاہان بہ پیش
رسیدند از سر قدم ساختہ | ز شادی سراپائے نشناختہ
سرِ خود نہادند بر پائے شاہ | کہ مائیم سر تا قدم در گناہ
ز عمرے کہ نگذشتہ در بندگی | بصد گونہ داریم شرمندگی
رسیدیم در خدمتت بندہ وار | بجز بندگی بندگان راچہ کار

نہایت پھُس پھُسی اور ہندیانہ ترکیبین ہین، اس لیے قلم انداز کرتا ہون،

موارد الکلم تفسیر غیر منقوط لکھنے کا جب ارادہ کیا، تو مشق کے طور پر پہلے یہ کتاب لکھی کہ ہاتھ صاف ہو جائے، کلکتہ مین چھپ گئی ہے، **فیضی** کے ایک رقعہ سے

معلوم ہوتا ہے، کہ ۹۸۵ھ ہجری کی تصنیف ہے، فیضی نے اسکو بلاد عرب مین بھیجا تھا، اکبر نے حسب دستور اس کو بہت کچھ داد دی،

سواطع الالہام یعنی تفسیر غیر منقوط ۱۰۰۲ھ ہجری مین تمام ہوئی، کل مدت تصنیف دو ڈھائی برس ہے، اس تفسیر پر فیضی کو بڑا ناز ہے، دوستون کو جو خطوط لکھے ہین ان مین اکثر فخر سے اسکا تذکرہ کرتا ہے، جن لوگون نے تاریخین اور تقریظین لکھین، ان کے نام بھی لکھے ہین، ایک خط مین لکھتا ہی،

"عاشر ربیع الثانی ۱۰۰۲ھ اثنین و الف کہ سال حال ست، تمام شد
این عطیہ غیبی مخصوص فقیر بود، غرابتش زیادہ ازان ست، کہ حیرت افزاے
اہل این فن نہ گردد"

دیباچہ مین لکھا ہی کہ جب ابتدا کی تو والد کو دکھایا، وہ بہت خوش ہوئے اور بعض فقرے بدل دیے، آدھا حصہ تمام ہوا، تو اکبر نے فیضی کو دکن کی مہم پر بھیجدیا، اس مہم مین ایک سال سے زیادہ توقف ہوا، اسی اثنا مین شیخ مبارک کا انتقال ہوگیا، پھر تفسیر رُک گئی، اور ایک سال سے کچھ کم رُکی رہی، دوسرے سال کے آغاز مین شروع کی، اور انجام کو پہونچائی، تفسیر خیر جو کچھ ہو لیکن تاریخین اور تقریظین خوب لکھی گئی ہین، ملا حیدر کاشانی نے پوری **قل ہو اللہ** سے تاریخ نکالی، یعنی اس سورۃ کے حرفون کے عدد شمار کیے جائین تو ۱۰۰۲ ہوتے ہین، ایک اور شخص نے اس آیت سے تاریخ نکالی لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین لاہوری اور ملک قمی نے قصیدے اور رباعیان لکھین، چند رباعیان درج کرتا ہون،

غیر منقوط ہونے کی توجیہ شاعرانہ طریقہ سے کی ہے،

دانہاے ازین دفتر کل دریا شد | پیداست نقاطش زچہ ناپیدا شد
شد وقت حصاد، دانہا خرمن گشت | شد سیر تمام، قطرہ ہا دریا شد

ازچین سخن گران سخن نتوان ساخت | بوے بوزید صفحہ مشک افشان ساخت
صیاد خیال ازپے، آہوے قلم | ہر نافہ کہ چید در بغل پنہان ساخت

این نسخہ کہ شاد کرد ناشادان را | رو ساختہ شاگردیِ اُستادان را
بر نقطہ ز تار خط نیفگند کمند | در بند ردا نداشت آزادان را

اے بخت بیا یاری این بیکس کن | تا پیش روم موانع رہ لیس کن
ہر نقطہ کہ کرد ندازین نسخہ برون | شد مہر لب سخن ظہوری بس کن

این خردہ چہ خردہا کہ نایاب شدند | ذرات درین شعشعہ سیاب شدند
از پردۂ لفظ حُسن معنی بدمید | خورشید برآمد، اختران آب شدند

فیض ازل ازچہرہ برافگند نقاب | از اوج خرد، سترد آثار حجاب
سرزد خورشیدِ معنی از مشرق لفظ | نیلوفر نقطہ سرفرو بُرد بہ آب

سخت تعجب ہی کہ **فیضی** جیسے حکیم اور فلسفہ پسند شخص نے کیونکر یہ بیہودہ مغز کاوی گوارا کی، تفسیر کو پڑھکر بجز اس کے، کہ جا بیجا مہمل الفاظ جمع کر دیے ہین، اور کچھ اثر طبیعت پر نہین ہوتا، یہ سچ ہے کہ اور کوئی شخص اس کمان کو زہ نہین کر سکتا، لیکن بہر حال ایک لغو کام ہی کسی سے بن آئے یا نہ آئے، طرہ یہ کہ فیضی کے مخالفین نے اس موقع پر بھی اعتراض کیا تو یہ کیا کہ آج تک کسی نے بے نقط تفسیر نہین لکھی، اس لیے یہ بدعت ہے اور اس لیے خلاف شریعت ہے، **فیضی** نے برجستہ جواب دیا، کہ خود کلمہ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسُولُ اللہ، سرتاپا غیر منقوط ہے،

انشای فیضی، نورالدین محمد عبداللہ بن حکیم عین الملک، کہ نسلاً ایرانی اور خود ہندوستان زا تھے، فیضی کے بھانجے اور شاگرد تھے، انھون نے **فیضی** کے تمام مکاتیب و خطوط مہیا کر کے، ایک مجموعہ مرتب کیا، اور **لطیفہ فیضی** نام رکھا، اسوقت تک خطوط اور مراسلات سے بیان واقعہ کے بجاے زیادہ تر اظہار انشاپردازی مقصود ہوتا تھا، فیضی پہلا شخص ہی، جس نے سادہ نگاری کی ابتدا کی، اس طرز مین اس کا کوئی نظیر ہے تو حکیم ابوالفتح ہے، جسکے رقعات چار باغ کے نام سے مشہور ہین،

فیضی کے خطوط سے اس زمانے کے تمدن، تہذیب معاشرت، آداب رسوم، ہر قسم کے حالات معلوم ہو سکتے ہین، بعض بعض جگہ ہندی الفاظ بھی بول جاتا ہے مثلاً والدہ کو "بُوا جیو" کہا کرتا تھا، خط مین اُن کا ذکر آگیا ہے تو یہی لفظ لکھدیا ہے،

دیوان غزلیات کچھ اوپر نو ہزار شعر ہین، خود دیباچہ لکھا ہے اور یہ تعداد بھی اس مین

ثانی نے دیباچہ مین یہ بھی عذر کیا ہے، کہ اس مین پست و بلند ہر قسم کا کلام ہے، خاتمہ مین چند رباعیان لکھی ہین، ایک یہ ہے،

این قصر سخن یافت عمارت از من   دریافت ز احباب اشارت از من
هر نکته که می ریخت ز نوکِ قلمم   معنی ز خدا بود عبارت از من

دیوان کا نام طباشیر الصبح رکھا، ایک خط سے جو ایک دوست کو لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان جب مرتب ہوا ہے، تو فیضی کی عمر ۵۰ سے کچھ اوپر تھی، اسی خط سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غزل گوئی کا سلسلہ بند نہین ہوا، بلکہ دوسرے دیوان کی طیاری کی ہے،

قصائد، مختصر سا مجموعہ ہے، حمد، نعت، مدح، فخر، تصوف، اخلاق، وغیرہ مضامین پر الگ الگ قصیدے لکھے ہین، قصیدون کی تعداد کم ہے، قصائد کئی کئی سو شعر کے ہین، طرحین بھی اپنے معاصرون سے الگ اختیار کی ہین، بیٹے کا ایک مرثیہ بھی ہے اور نہایت پُر درد ہے، خاتمہ مین قطعات بھی ہین، لیکن یہ قطعات دیوان مین بھی شامل ہین، بعض قصائد الحاقی معلوم ہوتے ہین، مثلاً یہ قصیدہ،

وصیِ نبی آن کہ از صلب فطرت   بہ شاہِ اولوالعزم توام نشیند
امامے کہ بعد از وفاتِ پیمبر   خلافت گذارد بہ ماتم نشیند
گرفتم معاند درین تنگ میدان   بر اشہب خرامد برادہم نشیند
کجا رتبۂ کعبہ یابد سفیہ   کہ فردا بہ قعر جہنم نشیند

جہان پُر شد از فتنہ با شاہ مردان　　　　تو بر خیز کا شوب عالم نشیند

ابو الفضل کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کے کل کلام کی تعداد ۵ ہزار کے لگ بھگ ہی،

تذکرہ شعرا کا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا لیکن اسکے سوا کہین اُسکا پتہ نہین چلتا، کہ ایک خط مین ایک دوست کو لکھتے ہین،

کتاب مقاصد الشعرا البتہ البتہ چون تشریف آرند ہمراہ آرند کہ اختتام
تذکرہ موقوف بہ آن ماندہ، و از کتب دیگر ہم انچہ تو انستہ اشتبا ہ ہمہ دم
فرمایند کہ تقیری می خواہم، در خطبۂ آن ذکر شریف کنم،

مہابھارت ۹۹۰ھ ہجری مین اکبر نے حکم دیا کہ مہابھارت کا ترجمہ لیا جائے، بڑے بڑے گُنوان پنڈت جمع ہوئے، اکبر خود عبارت کا مطلب نقیب خان کو سمجھاتا جاتا تھا، اور وہ فارسی مین ترجمہ کرتا تھا، پھر عبدالقادر بدایونی، ملا شیری وغیرہ کو الگ الگ ٹکڑے سپرد کیے، دو فن فیضی کے حصے مین آئے[۵]،

اتھروَن بید اس کا ترجمہ بھی فیضی کی طرف منسوب ہی، لیکن عبدالقادر بدایونی کی تحریر سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ۹۸۳ھ ہجری مین بھاون نام ایک برہمن جو دکن کا رہنے والا تھا، اسلام لایا، اور دربار مین حاضر ہوا، اکبر نے اسکو حکم دیا کہ اتھروَن بید کا ترجمہ کرلے، اول اول یہ کام ملا عبدالقادر بدایونی کے سپرد ہوا، یعنی بھاون

[۵] بدایونی واقعات ۹۹۰ھ ہجری،

مطلب سمجھا تا جائے اور یہ فارسی مین لکھتے جائین، لیکن چونکہ اس کی عبارت نہایت پیچیدہ تھی، ملا صاحب نے عذر کیا، اکبر نے ملا صاحب کے بجائے فیضی اور پھر فیضی کے بجائے ابراہیم سرہندی کو ترجمہ کا حکم دیا، فارسی رامائن کو بھی عام لوگ فیضی کی طرف منسوب کرتے ہین، لیکن یہ محض غلط ہے، رامائن کا ترجمہ اصل مین بدایونی نے ۹۹۳ھ ہجری مین چار برس کی محنت مین کیا تھا، پھر مسیحاے پانی پتی نے نظم مین لکھا، جو آج عام طور پر مشہور ہے،

لیلاوتی، حساب مین ہی، فیضی نے سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کی،

فیضی کی شاعری فیضی فطرۃً شاعر تھا، اسکا خاندان شاعری سے کچھ تعلق نہین رکھتا تھا، تعلیم و تربیت بھی شاعری کی حیثیت سے نہین ہوئی تھی، تاہم وہ بچپن ہی سے شعر کہتا تھا، لیکن چونکہ طبیعت مشکل پسند تھی اور عربیت کا زور تھا اسلیے طبیعت زیادہ تر صنائع کی طرف مائل تھی، اپنا بچپن کا کلام کوئی شاعر محفوظ نہین رکھتا، فیضی نے بھی ضائع کردیا ہوگا، لیکن ملا عبدالقادر صاحب بدایونی کی بدولت ہم کو ایک غزل ہاتھ آئی ہے[1]

اے قدِ نیکوے تو سروِ روان	وے خمِ ابروے تو شکلِ کمان
حلقۂ گیسوے تو دامِ جنون	طرۂ ہندوے تو کامِ جنان
ہم لبِ جاوے تو آبِ حیات	ہم خطِ دلجوے تو خضرِ زمان

پانچ شعرون کی غزل ہی اور صنعت یہ ہی کہ باوجود صنعت ترصیع کے ہر شعر چار بحرون

[1] بدایونی جلد ۳، تذکرہ محوی شاعر،

مین پڑھا جاتا ہے،

ابتدا مین جو قصیدے ہین اُن مین عربی نا مانوس الفاظ کثرت سے ہین اور یہ وہی

ملائیت کا زور ہے مثلاً،

یکے معلمے شاہزادہ ہاے عظام | کہ بر نہال فلک می کنند غصانی

کشمیر کا پورا قصیدہ دیکھو،

ایک قطعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ابوالفرج رونی کا تتبع کرتا تھا،

فیضی منم آن کہ در معانی | گامے بہ دو صد نہج گرفتم

تا کرد دلم عروج مستی | نہ چرخ درج درج گرفتم

ذوقے کہ توان گرفت از شعر | از شعر ابوالفرج گرفتم

لیکن جس قدر اہل زبان سے اختلاط بڑھتا گیا زبان سادہ اور صاف ہوتی گئی،

عرفی، ظہوری، ملک قمی سے اکثر صحبتین رہتی تھین، خصوصاً عرفی کی زور طبع اور چاشنی

سخن کا نہایت معترف ہی،

محتشم کاشانی کی تعریف مین لکھتا ہی،

حریم بانت سخن محتشم کہ در کاشان | بہ طرز تازہ طرز سخنوری دارد

یکے ز نکتہ وران گفت دیدم اشعارش | عبارتے ست کہ معنی سرسری دارد

بگفتمش سخن او عبارتے ست ولے | عبارتے کہ بہ معنی برابری دارد

ان باتون سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسکی شاعری پر کن چیزونکا اثر پڑتا ہے،

فیضی نے قصیدہ، مثنوی، غزل سب کچھ کہا ہی لیکن قصیدے بے مزہ ہین ابتدائے کلام ایک طرف اخیر کے قصائد سے بھی ملائیت کی بو آتی ہی البتہ مثنوی اور غزل لاجواب ہی اور ناظرین دونون صنف پر ہم ریویو کرنا چاہتے ہین،

جوش بیان

فیضی کی خصوصیات مین سب سے بڑھکر جوش بیان ہے، جسکا وہ موجد بھی ہم اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ مین بھی ہی اور اعلیٰ درجہ پر ہی لیکن زیادہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہی فیضی کے ہان فخریہ عشقیہ فلسفیانہ ہر قسم کے مضامین مین یہی جوش پایا جاتا ہی جوش بیان اسکے ذاتی حالات کا خاص اثر ہی جو اور کو نصیب نہین ہو سکتا تھا،

غور کرو ایک شخص جس کے سینہ مین تمام علوم و فنون کے خزانے بھرے ہوئے ہین فلسفہ اور حکمت کے ... دقیق فنون ہین اسکی نظر پہونچتی ہی اور وہ دیکھتا ہی کہ اور حریف معمولی سطح سے آگے نہین بڑھ سکتے آزاد خیالی اور بلند نظری اسکو آسمان تک پہونچائے دیتی ہی ان سب باتون کے ساتھ قسمت کی یاوری نے اسکو تخت شاہنشاہی کے برابر کھڑا کر دیا ہی ایسے شخص کے جوش مضامین کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، جب وہ تخت شاہی کے پاس کھڑے ہو کر اکبر کو مخاطب کرتا ہی تو یہ معلوم ہوتا ہی کہ ایک سیلاب جوش ہی جو آپ سے باہر ہوا جاتا ہی اور جھنکار رہا ہے،

شاہنشاہا! خسرو دیندارا! دریا گہرا! فلک شکوہا!

بزمے ست جہان بعیش پیوست دور تو شراب و آسمان مست

امروز بہ این نواے چون شہد | من بار بدم تو خسرو عہد
زین خامہ کہ کردہ ام فلک ساے | پیش تو ستادہ ام بیک پاے
این نامہ کہ عشق بر زبان برد | طغرلے ترا بہ آسمان برد
این چار ہزار گوہر ناب | کانگیختہ ام بہ آتشین آب
بپذیر کہ آب گوہر تست | از بہر نثار افسر تست
پیمانۂ من اگر نشد پُر | دریا کنمت نثار نہ دُر
گر عشق چنین بسوزدم پاک | مہتاب برون برآرم از خاک
بگداختہ آبگینۂ دل | آئینہ وہم بدست محفل
آنم کہ بہ سحرکاری ژرف | از شعلہ تراش کردہ ام حرف
بانگ قلم درین شب تار | بس معنی خفتہ کرد بیدار
ہر صبح بہ فیض بادشاہی | من بودم و باد صبحگاہی

اکبر نے جب نلدمن کی فرمایش کے لیے دربار مین بلایا ہی، اس حالت کو دیکھو

کس جوش سے بیان کرتا ہے،

برخاستم از زمین فلک تاز | برخاستہ مو بمو بہ پرواز
چشمے کہ برہ گذار کردم | چشم دگرش نثار کردم
بگذشتم از ان در ادب نیز | کونین گذاشتہ بہ دہلیز
دیدم دو جہان بیک جہان در | صد عمر ابد بیک زمان در

پیوند زمینیان گسستم نزدیک بہ آسمان نشستم

یہی جوش فلسفیانہ اور عشقیہ مضامین مین بھی قائم ہی

اے عشق با رخصت ست کہ از دوش آسمان بر دوش خود نہم علم کبریاے تو

نظر فیض چو بر خاک نشینان فگنم مور را مغز سلیمان رسد از قسمتِ ما

از تیغِ بادۂ ما بال ملائک بگداخت واے آن روز کہ برقے جہد از شیشۂ ما

روے کشادہ باید و پیشانی فراخ آن جا کہ لطمہ ہاے ید اللہ می زنند

این چہ می بود کہ ساقی بقدح ریخت فرو کہ مسیح و خضر از رشک کشاکش کردند

مپرس اہل نظر چون بعرش پیوستند کہ پا بکنگرۂ دل نہادہ بر جستند

عشق، صبر و خرد و ہوش ز فیضی بربود دزدرہ بین کہ بآن قافلہ سالار چہ کرد

شدیم خاک و لیکن ببوے تربتِ ما توان شناخت کزین خاک مردمی خیزد

عشق تا پاے بیفشرد در اندیشۂ ما ہمہ معشوق ترا ود ز رگ در یشۂ ما

بادہ در جوش ست و یاران منتظر ساقیا! خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَاکَدِرْ

می کشد شعلہ سرے از دل صد پارۂ ما جوش آتش بود امروز لیفوارۂ ما

ہیچ دانی دل ما خورد چرا انشکستند آسمان آئینہ ہا ساخت ز سیارۂ ما

درین دیار گروہے شکر لبان ہستند کہ بادہ با نمک آمیختند و بدمستند

فیضی کفم تہی و رہ عاشقی بہ پیش دیوان خود مگر بدو عالم گرو کنم

اقسام سخن مین فیضی فخریہ خوب کہتا ہی، اور اس عالم مین اسکا جوش بیان حد سے

گذر جاتا ہے، ملاحظہ ہو،

امروز نہ شاعرم حکیمم — دانندۂ حادث و قدیم
ہر موے زمن تمام گوش ست — خاموشی من بصد خروش ست
تا تازہ و تر زنم رقم را — در بادہ کشیدہ ام قلم را
این شیشہ نہادہ ام بران طاق — کان جا نہ رسیدہ دست عشاق
اسراف معانیم نظر کن — زین گنج بہ مفلسان خبر کن
می ریخت ز سحر کاری ژرف — از صبح ستارہ وز من حرف
دروازۂ صبح بر رخم باز — کلکم ز شگاف پرتو انداز
این بادہ کہ جوشد از یاغم — خونے ست چکیدہ از دماغم
صد دیدہ بورطۂ دل افتاد — کین موج گہر بہ ساحل افتاد
دکانِ ہنر چنین کشودن — سامان سخن چنین نمودن
این کار من ست کار کس نیست — اندازۂ اختیار کس نیست
چون بر سپہم نظر فگندند — در معرکہ ام سپر فگندند
بر تافتم از دم سبک سیر — ناقوس برہمنان نہ دیر
بنگر کہ چسان بصد تگ و تاز — بر تار معانیم رسن باز
ہر نغمہ کہ بستہ ام برین تار — ناقوس نہفتہ ام بہ زنار
این گل کہ بہ بوستان نثاری ست — از من بہ بہار یادگاری ست

(۲) فیضی کی ممتاز خصوصیات شاعری مین سے استعارات کی شوخی اور تشبیہات کی ندرت ہی، اکبری دور کے شعرا مین یہ خصوصیت عام ہی، لیکن نوعی شیرازی اور عرفی اس وصف مین اپنے معاصرین سے ممتاز ہین، اور فیضی ممتاز تر ہے، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہی کہ اس خاص وصف مین فیضی پر عرفی کا اثر پڑا ہے، یا خود عرفی نے فیضی سے یہ شوخیان سیکھی ہین، ایک مستند ایرانی تذکرہ نویس نے فیضی کے حق مین یہ فیصلہ کیا ہی، لیکن چونکہ تذکرہ نویس صاحب فیضی کے معاصر ہین، اور فیضی دربار کا ملک الشعرا تھا، اسلیے خوشامد کے سوء ظن کا موقع باقی رہتا ہے،

بہرحال استادی و شاگردی کی بحث نہین، لیکن فیضی کی شوخی استعارات اور جدت تشبیہات سے انکار نہین ہوسکتا، مثالین ملاحظہ ہون،

بزمے ست جہان بہ عیش پیوست — دورِ تو شراب و آسمان مست

زین خامہ کہ کردہ ام فلک سای — پیش تو ستادہ ام بیک پای

گر عشق چنین بسوزد م پاک — مہتاب برون برآرم از خاک

بگداختہ آبگینۂ دل — آئینہ دہم بدست محفل

بگداختہ ام دل و زبان را — کین نقش نمودہ ام جہان را

امروز بدودمان ایام، — زد نوبت من سپہر بر بام

آنم کہ بہ سحر کاری ژرف — از شعلہ تراشش کردہ ام حرف

بانگ قلم درین شب تار — بس معنی خفتہ کرد بیدار

برخاستم از زمین فلک تاز برخاسته مو بمو بہ پرواز

(۳) وہ اکثر فلسفیانہ مضامین باندھتا ہے، جس کے ساتھ ادّعا اور غرور کی جھلک بھی ہوتی ہے،

گویند ہمرہان طریقت کہ اے رفیق آگاہ شو کہ قافلہ ناگاہ می زنند
روے کشادہ باید و پیشانی فراخ آن جا کہ لطمہ ہاے ید اللہ می زنند

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ جہان خدا کے ہاتھ کے طمانچے پڑتے ہیں وہاں شگفتہ روئی اور کشادہ جبینی درکار ہے، مطلب یہ ہے کہ صدمات قضا و قدر کی برداشت، یا تجلیات کی برق افگنی کے لیے نہایت صبر و استقلال درکار ہے،

عجب تر از دلِ فیضی ندیدہ ایم طلسم کہ ہم گہر بود و ہم محیط و ہم غواص
چہ کشتہاست کہ در زلف بتان تعبیہ شد کز حقیقت دو جہان رو بہ مجاز آوردند
گر دلے گم شود از حلقۂ عشاق بپرس ہرچہ بردند درین قافلہ باز آوردند
عشق تا پاے بیفشرد در اندیشۂ ما ہمہ معشوق تراود زرگ و ریشۂ ما
مسافرانِ طریقت ز من جدا مشوید کہ دور بینم و چشمم بہ منزل افتادہ است
غافل نیم ز راہ و لے آہ چارہ چیست زین رہزنان کہ بر دل آگاہ می زنند
اگر سرے نہ کشم سوے بیخودی چہ کنم مرا ز ہمدمے خود ملال می گیرد
بگریز کہ دورانِ فلک عربدہ خیز ست آئینِ حریفان ہمہ کج داروم ریز ست
در دشت آرزو ہنو و بیم دام و دد راہے ست این کہ ہم ز تو خیزد بلاے تو

خاک بیزان رہ فقر بہ جاے نروند　　گوئی این طائفہ این جا گہرے یافتہ اند

فیضی کے دل مین فلسفیانہ خیالات کا جب زور ہوتا ہے اور اُنکے اظہار مین جب وہ مجبور ہوتا ہے تو اس مجبوری کو عجب انداز سے ظاہر کرتا ہے،

فلسفیانہ مسائل اسکے دل و دماغ مین بھر گئے ہین چاہتا ہی کہ ظاہر کرے لیکن جانتا ہے کہ لب ہلے اور ظاہر ہین علما قابو سے جاتے رہے، چونکہ علما ہی کے گروہ مین زندگی بسر کی ہے اور اپنے آپ کو اس دائرہ سے باہر نکالنا نہین چاہتا اس لیے چاہتا ہی کہ اصل حقیقت بھی ظاہر کی جائے اور ہم فنون کا ساتھ بھی نہ چھوٹنے پائے، لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہی مجبوراً ساتھیون سے انقطاع پر آمادہ ہوتا ہے، اور کہتا ہے،

آن نیست کہ من ہم نفسان را بگذارم　　با آبلہ پایان چہ کنم قافلہ تیز است

اسی مضمون کو ایک اور پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

فیضی از قافلہ کعبہ روان نیست برون　　این قدر ہست کہ از ما قدے در پیش ست

بعض وقت اس کو خیال آتا ہی کہ مسلمان بت پرستی کے سخت دشمن ہین لیکن کعبہ کی در و دیوار کی تعظیم مین ان کا جو طریق عمل ہی اُس مین ظاہر پرستی کا صاف شائبہ پایا جاتا ہے اس خیال کو یون ادا کرتا ہی،

آن کہ می کرد مرا منع پرستیدن بت　　در حرم رفتہ طواف در و دیوار چہ کرد

پھر غور کرتا ہی اور سمجھتا ہے کہ نہین کعبہ پرستون کی یہ اخیر منزل نہین، مقصود اصلی وہی ذات بحت ہی لیکن مبتدیون کو ان ابتدائی منزلون سے گزرنا پڑتا ہی، اس بنا پر کہتا ہی،

کعبہ را ویران مکن ای عشق کانجا یک نفس گہ گہے پس ماندگان راہ منزل می کنند

دہم، غزل مین عام شعرا کا قاعدہ ہے کہ کوئی قدیم طرح سامنے رکھ لیتے ہین، پھر ایک ایک قافیہ پر نگاہ ڈالتے ہین اور جو قافیہ جس انداز سے بندھ سکتا ہے باندھتے جاتے ہین رفتہ رفتہ غزل پوری ہو جاتی ہے، یہ بہت کم ہوتا ہے کہ پہلے کوئی مسلسل یا مفرد خیال دلمین آئے اسکو شعر مین ادا کرین، پھر غزل پوری کرنے کے لیے اور اشعار بھی لکھتے جائین، لیکن فیضی کی اکثر غزلون مین صاف نظر آتا ہے کہ کسی واقعہ کے اثر سے کوئی خیال دل مین آتا ہے اور اسی کو وہ ادا کر دیتا ہے، خطوط مین جا بجا لکھتا ہے کہ فلان واقعہ نے یہ خیال پیدا کیا، اور وہ غزل کی صورت مین ادا ہوا، مثلاً دکن کے سفر مین ایک دفعہ کچھ ہنگامہ ہوا، لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے، فیضی نے بہت روکا، کسی نے نہ سنا اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے یہ غزل ادا ہوئی،

بازیاران طریقت سفرے درپیش است ره نوردان بلا را خطرے درپیش است

کس نمی گویدم از منزل اول خبرے صد بیابان بگذشت و دگرے درپیش است

ہمرہان این ہمہ نومید نباشید از من کہ دعاے سحرم را اثرے درپیش است

ماندہ آنیم کہ نادیدہ قدم بگذاریم شکر کن قافلہ را راہبرے درپیش است

اے صبا! بر سرِ آفاق گُل مژدہ بریز کہ شب تیرۂ ما را سحرے درپیش است

فیضی از قافلۂ کعبہ روان بیخبر نیست این قدر ہست کہ ازما قدمے درپیش است

اسی طرح اکبر جب گجرات کی مہم سے آیا ہے، تو ایک غزل لکھی ہے، جسکا

مطلع یہ ہے،

نسیم خوش دلی از فتحپور می آید | کہ بادشاہ من از راہ دور می آید

احمد آباد گجرات مین پہونچا ہے تو وہان کے دلفریب حسن نے اسپر ایک خاص اثر کیا ہی

وہی غزل مین ادا کرتا ہی،

منم کہ کشتۂ گجراتیان بیدادم | خراب عشوۂ خوبان احمد آبادم

سہی قدے ز سر ناز جلوۂ ننمود | کہ ہمچو سایہ بدنبال آن نیفتادم

بہر طرف کہ خرامید سرو آزادی | غلام او شدم و خط بندگی دادم

چو رشک گلشن فردوس احمد آباد است | از و مبا دبرونم کشند چون آدم

بہ حسن مردم گجرات بادلیست دلے | نمی روند جوانان دہلی از یادم

لیکن انصاف یہ ہی کہ ایک حکیم، ایک فلسفی، ایک ادیب، عشق کی کڑیان نہین جھیل سکتا،

بہ سوز عشق، شاہان راچہ کار است | کہ سنگ لعل، خالی از شرار است

اس بنا پر فیضی کے عشقیہ اشعار مین وہ سوز و گداز نہین، جو عاشق تن شعرا کا خاصہ ہے نظیری فتنہ گران گجرات کی شان مین کچھ کہتا، تو تم دیکھتے کہ سننے والے دل تھام کر رہجاتے،

بہر حال فیضی کے تغزل کا اندازہ کرنا چاہو تو اشعار ذیل سر کرسکتے ہو،

آنچہ بہ فیضی نظر دوست کرد | مشکل اگر دشمن جانی کند

ناشکری عشق چون توان کرد — غم بر سر غم فزود ما را
حیران فسون سازی عشقم که خیالت — از دیده درون آید و در سینه نگنجد

شب وصل کے ذکر مین ایک غزل لکھی ہی، دو شعر سُننے کے قابل ہین

نگویم اے فلک از کجروی‌هایت تو بر گردی — شب وصل است خواهم اندکے آهسته‌تر گردی
ز مهتاب رُخش کاشانهٔ من روشن است امشب — اگر وقت طلوعت آید اے خورشید بر گردی

عرفی شیرازی

عرفی کا نام و نسب | محمد نام، جمال الدین لقب، عرفی تخلص، باپ کا نام زین الدین ملوی، اور دادے کا جمال الدین چادر باف تھا، ایران مین اُن محکمہ جات اور عدالتو نکو جو مذہبی صیغہ سے تعلق نہین رکھتین، "عرف" کہتے ہین، عرفی کا باپ شیراز کی دار الحکومت مین ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھا، عرفی نے اسی مناسبت سے اپنا تخلص عرفی رکھا تھا مآثر رحیمی مین ہے،

چون پدرش بعض اوقات در دیوانِ حُکّامِ فارس بامرِ وزارت داروغہ دار الافاضل شیراز مشغولی می نمود مناسبت شرعی عرفی را منظور داشتہ تخلص خود عرفی کرد،

لہ عرفی کے حالات اگرچہ مختصراً عام تذکرون مین ملتے ہین لیکن مستند اور دلچسپ واقعات مآثر رحیمی اور تذکرہ عرفات اوحدی کے سوا اور کسی تذکرہ مین نہین پائے جاتے، مآثر رحیمی، اصل مین عبد الرحیم خانخانان کی سوانح عمری ہے، لیکن اس مین تمام اُن شعرا اور اہل فن کا تذکرہ ہے، جو خانخانان کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اس کتاب کا مصنف خود اُن شعرا کا ہمعصر تھا، اس لیے دلچسپ حالات بہم پہونچائے ہین، اور اکثر واقعات چشم دید لکھے ہین، عرفات کا مصنف بھی قریب قریب اسی زمانہ مین تھا، اور اسنے عرفی کو تیس برس کی عمر مین دیکھا تھا، یہ دونون کتابین میرے پیش نظر ہین،

اس تخلص کے اختیار کرنے کے متعلق اس قدر اور کہنا ضرور ہے کہ عرفی فطرۃً مغرور اور خود ستا تھا، چونکہ ایران کے اکثر شعرا معمولی خاندانون سے تھے، مثلاً خاقانی بڑھئی تھا، فردوسی باغبانی کرتا تھا، باقر کاشانی خردہ فروش تھا، برخلاف اسکے عرفی ایک معزز خاندان کا آدمی تھا، اور اس کا باپ سرکاری محکمہ سے بھی تعلق رکھتا تھا، اسلیے تخلص مین بھی فخر کی ادا قائم رکھی، عرفی نے نام ونسب پر اکثر فخر کیا ہے اور یہ بھی اُس کے خصوصیات مین ہے، ورنہ ایران کے شعرا مین نسب کا فخر بہت ہی شاذ و نادر پایا جاتا ہے،

عرفی کی تعلیم وتربیت شیراز مین ہوئی، شاہ نواز خان (مصنف مآثر الامرا) نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی نے علاوہ معمولی علوم کے مصوّری ونقاشی کی بھی تعلیم پائی تھی، عرفی نے جب ہوش سنبھالا تو سلطنت صفویہ کا شباب تھا، اور طہماسپ وعباس کی علم پروری نے تمام ایران کو علم وہنر کی نمائشگاہ بنا دیا تھا، بالخصوص شاعری بڑے زوروں پر تھی، محتشم کاشی، وحشی، یزدی، غیرتی وغیرہ نے قغانی کی طرز کو اور زیادہ شوخ کر دیا تھا اور تمام ملک انکی زمزمہ سنجیون سے گونج اُٹھا تھا، عرفی نے بھی اپنے اظہار کمال کے لیے یہی میدان پسند کیا، اور باوجود کم سنی کے بڑے بڑے پُرانے استادون کے ساتھ معرکہ آرائی شروع کر دی، اس زمانے مین قغانی کی اکثر غزلین جس طرح کی جاتی تھین، اور محتشم کاشی وغیرہ اِن مین غزلین لکھتے تھے، عرفی بھی انھین طرحون پر غزلین لکھتا تھا اور عام مشاعرون مین بے باکانہ پڑھتا تھا، وحشی یزدی یزد مین سکونت رکھتا تھا اسلیے

اس سے تحریری مناظرات رہتے تھے، اوحدی نے لکھا ہی کہ جب مین شیراز گیا تو مشہور شعرا کے نام دریافت کیے، لوگون نے **غیرتی** کا پتہ دیا، شیراز مین ایک دُکان تھی جو شعرا کا دنگل تھا، یہان عارف لاہجی، حسین کاشی مورخ، میر ابوتراب، تقیای شبستری مخاطب بہ مورخ خان، رضای کاشی وغیرہ مشاعرے کرتے تھے، مشاعرہ مین **غیرتی** اور **عرفی** سے مباحثہ ہوا، عرفی نے دعوی کے دونون پہلو مخالف اور موافق لیے اور دونون مین غیرتی پر غالب آیا،

عرفی کی قدردانی کے لیے اگرچہ ایران مین بھی کچھ کم سامان نہ تھا، تاہم ہندوستان کی سی بات کہان نصیب ہوسکتی تھی، جس کی بدولت ایران کے ہر ہر گوشے سے اہل فن کھینچے چلے آتے تھے،

بعض تذکرون مین لکھا ہی کہ عرفی شہزادہ سلیم کے حُسن پر غائبانہ عاشق ہوکر آیا، بہرحال اس نے ہندوستان کا رخ کیا، راستہ مین ڈاکہ پڑا اور اس کی کل کائنات جاتی رہی، اسپر یہ رباعی لکھی،

دوشنبہ کہ بُرد و برد بردوشم بود — زانو چو عروسِ نو در آغوشم بود
پوشیدنئے نہ داشتم غیر از چشم — چیزے کہ بزیر سر نہم گوشم بود

ہندوستان مین اگرچہ سیکڑون امرا، اور اہل دول تھے، لیکن عرفی نے ان سب مین **فیضی** کو انتخاب کیا جس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اُس کے دربار تک پہونچنا آسان تھا، یا یہ کہ سخن شناسی کی توقع جو فیضی سے ہوسکتی تھی اور کسی سے نہین ہوسکتی تھی

عرفی فتح پور سیکری مین فیضی سے ملا، فیضی نے اسکی پوری قدر دانی کی، پنجاب کے سفر مین وہ اٹک تک فیضی کے ہمرکاب رہا اور اُسکی تمام ضروریات فیضی ہی کی سرکار سے انجام پاتی رہین[1]، لیکن عرفی کی نخوت پرستی کی وجہ سے صحبت برآر نہوسکی اور بالآخر اس دربار سے قطع تعلق کرنا پڑا،

اس زمانہ مین اکبری دربار کے نورتن سب موجود تھے، انمین حکیم ابوالفتح گیلانی اگرچہ ظاہری منصب و اقتدار کے لحاظ سے سب سے کم پایہ تھا، یعنی صرف ہزاری منصب رکھتا تھا، لیکن بہت بڑا عالم اور علم و فضل کا بڑا قدر دان تھا، اسکے ساتھ عرفی کا ہم وطن اور ہم مذہب تھا، ان خصوصیات کی بنا پر اسنے اسی کو ترجیح دی اور قصیدہ مدحیہ لکھکر پیش کیا یہ پہلا دن تھا کہ عرفی کے غرور کی آن ٹوٹی، غالباً خود عرفی کو بھی اسکا سخت صدمہ ہوا، چنانچہ قصیدہ مین اسکے اشارے پائے جاتے ہین

چونکہ حکیم ابوالفتح بڑا نکتہ شناس اور نقاد فن تھا، عرفی نے اسکی فیض صحبت سے بہت ترقی کی، حکیم ابوالفتح نے ایک رقعہ مین جو خانخانان کے نام ہے یہ الفاظ لکھے ہین

ملا عرفی د ملا حیاتی بسیار ترقی کردہ اند[2]،

اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ اُمرا اور اہل دول علم و فضل مین یہ پایہ رکھتے تھے کہ عرفی جیسے اہل کمال اُنکی صحبت سے مستفید ہوسکتے تھے، عرفی نے بھی حکیم ابوالفتح کی احسانمندی کا پورا حق ادا کیا، جس زور کے قصیدے حکیم صاحب کی شان مین لکھے اکبر و خانخانان کی

[1] تاریخ بدایونی، [2] خزانہ عامرہ ذکر حیاتی گیلانی،

مدح مین بھی نہین لکھے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ جب تک ابوالفتح زندہ رہا، اسنے خود اپنی خواہش سے کسی دربار کی طرف رُخ نہین کیا،

حکیم ابوالفتح اور خانخانان سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا، حکیم موصوف کی فرمایش سے **عرفی** نے خانخانان کی مدح مین قصیدہ لکھا، جسکا مطلع یہ ہے ع، بیا کہ بادلم آن می کند پریشانی اس قصیدہ مین اس واقعہ کا نہایت لطیف پیرایہ مین ذکر کیا ہی، چنانچہ کہتا ہی

ازان نہ دیدہ ثنا گویمت کہ می بینم ۔۔۔ ترا، وراکلتن بچشم روحانی

دلیل دعویم این بسکہ مدح خود نخواست ۔۔۔ مرا بمدح تو فرمود گوہرافشانی

حکیم ابوالفتح نے ۹۹۷ھ ہجری مین انتقال کیا، عرفی پر اس واقعہ کا سخت اثر ہوا، چنانچہ اس زمانہ مین خانخانان کی مدح مین جو قصیدہ لکھا ہی، اُس مین کہتا ہے،

چہ احتیاج کہ گویم کہ مُرد عرفی را ۔۔۔ چہ بر سر از ہوسِ مرگ ناگہان آمد

برفت و لطف تو بر من گذاشت این مئی آست ۔۔۔ بہ نزد عقل کہ تا وان آن زیان آمد

تو آگہی کہ مرا از غروب این خورشید ۔۔۔ چہ گنجہاے سعادت زیان جان آمد

(یعنی ابوالفتح)

حکیم ابوالفتح کے مرنے کے بعد عرفی، خانخانان کی درباریون مین داخل ہوا، اور پھر خاندان شاہی کے سوا، اور کسی کے آستانہ پر کبھی سر نہین جھکایا، چنانچہ خود فخریہ کہتا ہے،

یک منعم و یک نعمت و یک منت و یک شکر ۔۔۔ صد شکر کہ تقدیر چنین راندہ قلم را

خانخانان امراے اکبری کا گل سر سبد تھا، اس زمانے مین وہی ایک شخص تھا جسکے تاج فخر پر صاحب السیف والقلم کا طرہ زیب دیتا تھا، گجرات کی فتح جس مین اسنے دس ہزار

فوج سے چالیس ہزار کی جمعیت کو شکست دی، اس کی شجاعت کا ایک معمولی کارنامہ ہے خود شاعر اور شعرا کا بڑا قدردان تھا، عبدالباقی نہاوندی نے اسکے مفصل حالات ۳ جلدون مین لکھے ہین، ایک جلد مین صرف اس کے دربار کے شعرا اور اہل کمال کا تذکرہ ہی،

عرفی نے خانخانان کے دربار مین پہونچکر خاطرخواہ ترقی حاصل کی، مآثر رحیمی مین لکھا ہے

به اندک فرصتے بہ یمن تربیت وشاگردی ومداحی این دانای روزگار پختگی تمام

وترقی الاکلام در منظوماتش بہم رسید،

چونکہ خانخانان کے دربار مین بڑے بڑے نامور شعرا مثلاً نظیری نیشاپوری، شکیبی اصفہانی انیسی، ظہوری وغیرہ سے مقابلہ رہتا تھا، عرفی کا کلام روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا، یہانتک کہ تقرب اور اختصاص مین بھی وہ حریفون کی صف کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا، یہ بات اسی کو نصیب ہوئی کہ دربار مین جاتا تھا تو عام طریقہ پر آداب وکورنش نہین بجالاتا تھا، اور جس جگہ جس طرح چاہتا تھا بیٹھ جاتا تھا، مآثر رحیمی مین ہی،

در ایام ملازمت تسلیم وکورنشے کہ در ہندوستان متعارفست کہ بعوض سلام

بصاحبان می کنند بہ صاحب خود نمی کرد، وبہر طرز وطور وروشے کہ میخواست

در مجالس می نشست، واہل عالم تقدیم اورا قبول می نمودند،

خانخانان نے عرفی کے ساتھ وقتاً فوقتاً جو فیاضیان کین، اسکی ایک ادنی مثال یہ ہے کہ ایک قصیدے پر ستر ہزار روپے انعام دلوائے[۱]،

---

[۱] خزانہ عامرہ تذکرہ عرفی،

عرفی نے اگرچہ خانخانان کے سوا امرا اور اہل دربار مین سے کسی کی مدح سرائی گوارا نہ کی، لیکن فرمان روائے وقت سے یہ بے نیازی ممکن نہ تھی، اسلیے خود اپنی خواہش یا خانخانان کی فرمایش سے اکبر کی مدح مین اسنے متعدد قصائد لکھے لیکن ابوالفضل و فیضی کے آگے اسکا چراغ نہین جل سکتا تھا، ابوالفضل نے اکبر نامہ اور آئین اکبری دونون مین اسکا تذکرہ کیا ہی لیکن اس طرح کہ نہ کرتا تو اچھا تھا، اکبر نامہ مین لکھتا ہی،

درے از سخن سرائے بر دکشودہ بودند در خود نگریست و بر پاستانیان زبانِ طعن کشود، غنچہ استعداد نشگفتہ پژمرد،

اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ عرفی حد سے زیادہ مغرور اور خود ستا تھا، اور اساتذہ سلف کا نام اپنے مقابلہ مین تحقیر سے لیتا تھا، چنانچہ کہتا ہی،

انصاف بدہ بوالفرج و انوری امروز — بہر چہ غنیمت نشمارند عدم را
بسم اللہ ز اعجاز نفس جان شاہ باز — تا من قلم اندازم و گیرند قلم را
تفرج کہ من از بہر روح سازد ہم — نہ انوری نہ فلانی دہد نہ بہمانی
نازش سعدی بہ مشت خاک شیراز از چہ بود — گر نمی دانست باشد مولد و ماوائے من
دم عیسیٰ تمنا داشت خاقانی کہ برخیزد — بہ امداد صبا اینک فرستادم بشروانش

اسکے فخر و غرور سے تمام ہمعصر نالان تھے، یہانتک کہ نظیری نیشاپوری جو ایک مرنج مرنجان شاعر تھا اس سے بھی ضبط نہو سکا، چنانچہ ایک قصیدہ مین جو عرفی کے مرنے کے بعد اس کے جواب مین لکھا ہی کہتا ہے،

درین قصیدہ بہ گستاخی ارچہ عرفی گفت | بداغ رشک پس از مرگ سوخت خاقانی
کنون بگور چنان او برشک می سوزد | کہ در تنور، تو ان گوسفند بریانی

قصیدہ کشمیریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکبر نے ۹۹۷ھ ہجری مین کشمیر کا جو سفر کیا تھا اُسمین عرفی بھی ہم کاب تھا، ایک قطعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکبر نے کسی موقع پر ایک گھوڑا بھی انعام مین دیا تھا، لیکن عرفی نے بجاے اسکے کہ شکر کا اظہار کرتا، اُسلئے گھوڑے کی ہجو لکھی،

شاہنشہا حقیقت اپی کہ دادہ | بشنو ز لطف تا برسانم لعز عرض
ہستم برا دسوار و بمعنی پیادہ ام | گامے بطول می زدم اکنون زدم بعرض

خانخانان اور اکبر کے سوا عرفی نے کسی اور آستانہ کی ناصیہ سائی کی تو وہ شاہزادہ سلیم تھا، اور عرفی کی تاریخ زندگی مین یہ واقعہ ایک خاص حیثیت رکھتا ہے، تمام تذکرے متفق ہین کہ عرفی شہزادۂ مذکور کا جان دادہ تھا، یہ امر اگرچہ بظاہر بالکل خلاف قیاس ہے لیکن عرفی کے قصائد مین بے شبہہ یہ جھلک پائی جاتی ہے، شاہزادۂ موصوف کی شان مین اسکے جو قصیدے ہین انکے دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ اور کوئی جوش ہے جس کا رنگ مداحی کے لباس مین بھی جھلکتا ہے، عرفی کو اس خوش قسمتی پر ناز ہوسکتا ہے کہ شہزادہ نے خود اُسکو یاد کیا اور دربار مین بلاکر قصیدہ لکھنے کی فرمایش کی، عرفی جس شان سے دربار مین پہونچا ہے اور شہزادہ نے جس طرح اُس سے نگاہ پنہان کی زبان سے باتین کی ہین، اس کی تصویر خود عرفی نے نہایت خوبی سے کھینچی ہے

کہ ناگہان زدرم در رسید مژدہ دہے | چنانکہ از چمن طالعم بمغز شمیم

چہ گفت، گفت کہ "ای مخزن جواہر قدس" چہ گفت، گفت کہ "ای مطلب بہشت نعیم"
بیا کہ از گہرت یاد می کند دریا بیا کہ تشنہ لبت را طلب کند تسنیم
برہ فتادم و گشتم چنان شتاب زدہ کہ دست اہل کرم در نثار گوہر و سیم
مرا چو دوش بدوش ادب بدید استاد بلطف خاص بدل کرد التفات عمیم
رموز کورنش و تسلیم را ادا کردم بہ داب مردم دانا و بذلہ سنج ندیم
نگفت و من بشنودم ہر انچہ گفتنی داشت کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم
لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

اخیر کے دونون شعرون کا مطلب یہ ہی،

شہزادہ نے کچھ نہین کہا اور مین نے سُن لیا، کیونکہ تقریر کرنے مین اُسکی نگاہ نے زبان پر پیش دستی کی، پھر جب نگاہ سے گزر کر ہونٹون کی باری آئی تو میرے کان کوثر و تسنیم کی موجون مین ڈوب گئے،

شیخ سعدی نے ایک قطعہ مین یہ مضمون باندھا تھا کہ اُس شاعر کو عاشقی کا نام نہ لینا چاہیے جو قصیدہ مین دو چار شعر عشقیہ لکھکر مداحی شروع کر دیتا ہی، عرفی نے اس ایک قطعہ لکھا ہی اس مین شہزادہ سلیم کی معشوقی کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہی،

دی کسے گفت کہ سعدی گہر افروز سخن قطعۂ گفت کہ اندیشہ بران می نازد
سخن عشق حرام ست بران بیہدہ گوے کہ چو دہ بیت غزل گفت، مدیح آغازد
گفتم این خود ہمہ عیب ست کہ در راہ تمیز ہر کہ این لاف زند رخش دوئی می تازد

آنکہ ممدوح بود عشق بہ او چی بازد　　　　لوحش اللہ زیک اندیشی عرفی کورا

یعنی سعدی اگر ممدوح کو معشوق پر ترجیح نہین دیتے لیکن بہرحال معشوق کے علاوہ اُنکا
کوئی ممدوح بھی ہی، لیکن میرا تو ممدوح بھی وہی ہے جو معشوق ہے،

وفات تذکرۂ داغستانی وغیرہ مین لکھاہے کہ حاسدون نے اسکو زہر دیدیا، بعضون نے لکھاہی کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ سلیم کے ساتھ عشق کا اظہار تھا، ابوالفضل نے اکبرنامہ مین سنہ ۹۹۹ ہجری کے واقعات کے ذیل مین لکھاہی،

سیزدہم، عرفی شیرازی رخت ہستی بربست، دریچہ از سخن سرائے بروے کشودہ بودند، اگر در خود نہ نگریستے زندگی را بشایستگی بسپردے، زمانہ لختے فرصت دادے، کار او بلندا، در ین نزدیکی این رباعی بر سنجیدہ بود،

عرفی دم نزع است وہمان مستی تو　　　　آیا بچہ مایہ رخت بربستی تو

فردا است کہ دوست نقد فردوس بکف　　　　جویاے متاع ست وتہیدستی تو

انتقال کے وقت اسکی عمر ۳۶ برس کی تھی،

تذکرۂ داغستانی مین لکھاہی کہ لاہور مین مدفون ہوا، اور چند روز کے بعد کوئی درویش کسی اور بزرگ کے دھوکے مین اُسکی ہڈیان قبر سے نکال کر نجف مین لے گیا، اور وہان دفن کردین، لیکن یہ غلط ہی عبد الباقی نے جو خود عرفی کا معاصر تھا مآثر رحیمی مین لکھاہی کہ میر صابر اصفہانی نے جو اعتماد الدولہ غیاث بیگ (وزیر اور خسر جہانگیر بادشاہ) کا درباری تھا ایک قلندر کو رقم کثیر دی کہ عرفی کی ہڈیان لاہور سے نجف لیجائے، بہرحال عرفی کی

یہ پیشین گوئی پوری ہوئی،

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم — اگر بہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار

ملا رونقی ہمدانی نے اس واقعہ کی تاریخ مین یہ قطعہ لکھا،

یگانہ گوہر دریاے معرفت عرفی — کہ آسمان سپے پرورش صدف آمد

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم — زدہ است تیر دعاے وبہدف آمد

رقم زد از پئے تاریخ رونقی کلکم — بکاوش مژہ از گور تا نجف آمد

اخلاق وعادات عرفی کے اخلاق وعادات مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہر وہ فخر، غرور، کم بینی، خود ستائی ہی، اسکے معتقدین خاص تک اسکی غرور سی نالان ہین، بدایونی نے فیضی کے توڑ پر اسکو بہت چمکایا ہی تاہم یہ لکھنا پڑا،

اما از بس عجب ونخوت کہ بہم رسانیدہ بود از دلہا افتاد،

معلوم ہوتا ہی کہ اس رعونت نے تمام لوگون کو اسکا دشمن بنادیا تھا، ایک دفعہ بیمار ہوا اور شاید یہ وہی مرض الموت کی بیماری تھی لوگ عیادت کو آئے لیکن چونکہ دل صاف نہ تھے غمخواری کے لہجہ مین جو بات کہتے تھے اسمین دل آزاری کا پہلو ہوتا تھا، عرفی بھی سمجھتا تھا اور دل ہی دل مین پیچ وتاب کھاتا تھا، اسی حالت مین ایک قطعہ کہا جسمین مرض کی شدت بیان کرکے لوگونکی ستم ظریفانہ بیمارپرسی کی تصویر کھینچی ہی، عرفی عالم تخیل کی بلندی سے نیچے نہین آتا لیکن اس قطعہ مین واقعہ نگاری اختیار کی ہی اور سمان باندھ دیا ہے،

تن او فتادہ درین حال و دوستان فصیح — بہ گرد بالش و بستر ستادہ چون منبر

یکے بہ ریش کشد دست و کج کند گردن — کہ روزگار وفا با کہ کرد؟ جان پدر
بہ جاہ و مال فرومایہ، دل نباید بست — کجا است دولت جمشید و نام اسکندر
یکے بہ نرمی آواز و گفت دگوی حزین — کند شروع و کشد آستین بدیدۂ تر
کہ جان من! ہمہ را این رہ است باید رفت — تمام راہ روانیم و دہر را کب بر
یکے بہ چرب زبانی سخن طراز شود — کہ اے وفات تو تاریخ انقلاب خبر
فراہم آی و پریشان مدار دل زنہار — کہ نظم و نثر تو من جمع می کنم یکسر
پس از نوشتن و تصحیح می کنم انشا — بہ مدعاے تو دیباچہ چو دُرج گہر
چنانچہ ہستی فہرست دانش و فرہنگ — چنانچہ ہستی مجموعۂ صفات و ہُنر
بہ نظم و نثر در آویزم و فرو ریزم — اگرچہ حصر کمال تو نیست حد بشر

ان سب کے جواب مین عرفی جل کر کہتا ہے،

خداے عزوجل صحتم دہد، بینی — کہ این منافقگان را چہ آورم بر سر

نہایت حاضر جواب اور ظریف الطبع تھا، ایک دفعہ ابوالفضل کے گھر پر اُس سے ملنے گیا دیکھا تو ابوالفضل قلم دانتون مین دابے ہوے سوچ مین بیٹھا ہی، سبب پوچھا، ابوالفضل نے کہا بھائی صاحب کی تفسیر بے نقط کا دیباچہ اُسی صنعت مین لکھ رہا ہون، ایک موقع پر والد کا نام آگیا ہی چاہتا ہون کہ نام بھی آئے اور صنعت کا التزام بھی ہاتھ سے نہ جائے، عرفی نے کہا تردد کی کیا بات ہی اپنے لہجہ مین مبارک لکھدیجئے (مبارک نام تھا، جسکو گنوار مبارک کہتے ہین)

ایک دفعہ فیضی بیمار تھا، عرفی عیادت کو گیا، فیضی کو کُتّون سے بہت شوق تھا، چند

سگ لٹ بچے گلے مین سونے کے پٹے ڈالے پھر رہے تھے، عرفی نے کہا،

مخدوم زادہا بہ چہ اسم موسوم اند

فیضی نے کہا یہ اسم **عرفی** یعنی معمولی نام ہین،

عرفی نے کہا **مبارک باشد**

ظہوری سے اکثر دوستانہ خط کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ ظہوری نے کشمیر کی شال تحفہ مین بھیجی، غالباً شال معمولی درجہ کی تھی، عرفی نے جواب مین رقعہ لکھا جسمین تین رباعیان شال کی ہجو مین تھین، ایک[۲] یہ ہے،

این شال کہ وصفش نہ حد تقریرست	آیات رعونت مرا تفسیرست
نامش نہ کنی تماش کشمیر کزد	صد رخنہ بکار مردم کشمیرست

عرفی کی بداخلاقی کے سب شاکی ہین، لیکن تعجب ہی کہ **فیضی** نے جو اسکا سب سے بڑا حریف کہا جاتا ہی، **عرفی** کی شریف النفسی کی نہایت تعریف کی ہی، چنانچہ اپنے رقعہ مین جسکی پوری عبارت آگے چل کر آئے گی لکھتا ہے،

واز تہذیب اخلاق چگوید کہ در خاکی نہاد شیراز ذاتی می باشد نہ کسبی،

شاید یہ ابتدائی ملاقات کا حال ہوگا جب **فیضی** کو پورا تجربہ نہین ہوا تھا،

معلوم ہوتا ہی کہ عرفی بخلاف اور شعرا کے رندا ورا وباش نہ تھا، کسی نے اسکو فسق کا الزام

---

[۱] یہ دونون واقعات خافی خان نے حالات اکبر واقعات سنہ ہجری ہین لکھے ہین (خافی خان صفحہ ۲۰۰) دوسرا واقعہ بدایونی مین بھی مذکور ہے، [۲] خزانہ عامرہ ذکر ظہوری،

دیا تھا، اس پر اسکو سخت صدمہ ہوا، ایک قطعہ مین اسکا اظہار کیا ہے اور خاتمہ مین اپنے دل کو اس طرح تسلی دی ہے،

اہل دنیا ہمگی تہمت گیرند ونسا
عیسی این را متحمل شد ومریم برداشت

باوجود بدمزاجی اور غرور کے عرفی نے کسی کی ہجو سے زبان آلودہ نہین کی، یا کسی کو اس قابل نہین سمجھتا ہوگا، ایک قصیدہ مین بہت جل کر کہا ہے تو صرف اس حد تک اکتفا کی

بامن از جہل معارض شدہ نا منفعلے

تصنیفات **نفسیہ**، تصوف مین ہے، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے متعلق کوئی رسالہ ہے، مآثر رحیمی مین اسکی نسبت لکھا ہے

ورسالہ نیز موسوم بہ نفسیہ در نثر نوشتہ کہ صوفیان ودرویشان را سرلوحۂ دفتر تصوف وتحقیق می تواند شد،

مثنوی، بجواب مخزن اسرار، دیوان کے ساتھ چھپی ہے،

مثنوی، بجواب شیرین خسرو، آتشکدہ اور مجمع الفصحا مین اسکے اشعار نقل کیے ہین

کلیات قصائد وغزلیات سنہ ۹۹۶ ہجری مین ایک دیوان ترتیب دیا تھا، جسمین ۲۶ قصیدے، ۲۷۰ غزلین اور ۷۰۰ شعر کے قطعات ورباعیان تھین، اس دیوان کی خود ہی تاریخ کہی تھی،

این طرفہ نکات سحری واعجازی
چون گشت مکمل بہ رقم پردازی

مجموعہ طراز قدس تاریخش یافت
اول دیوان عرفی شیرازی

اس رباعی مین عجیب وغریب صنعت رکھی ہے، چوتھا مصرع جس سے تاریخ نکلتی ہے اسمین

اکائیون کے عدد لیے جائین، تو قصائد کی تعداد کے موافق ہوتے ہین یعنی ۲۶ دہائیون کے عدد حساب کیے جائین تو غزلون کی تعداد کے برابر ہوتے ہین یعنی ۲۷۰۔ اور سیکڑونکو لیا جائے تو قطعات اور رباعیونکی تعداد ظاہر ہوتی ہی یعنی ...، مختصر یہ کہ اسی مصرع مین تاریخ بھی ہی اور ہر قسم کے اشعار کی الگ الگ تعداد بھی،

یہ اخیر کا کلام ہی، اس سے پہلے چھ ہزار شعر کہے تھے، وہ بدقسمتی سے ضائع ہو گئے[1] چنانچہ اس کے ماتم مین ایک پُردرد غزل لکھی جو دیوان مین موجود اور ذیل مین درج ہی،

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام | عمر در باختہ را بار دگر باختہ ام
ساقیِ مصطبہ لطفم و مے ریختہ ام | طائرِ باغچۂ قدسم و پر باختہ ام
العطش می زند از تشنہ لبی ہر مویم | کہ قدح ہای پُر از خونِ جگر باختہ ام
ز صد شرع ہنر چون نہ شود محو کہ من | شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام

اسی رنج و غم مین دفعۃً بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کے جوش مین آکر کہتا ہے اور کیا خوب کہتا ہی،

گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست | از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

اس خیال کو، کہ "اگر پچھلا کلام جاتا رہا تو مضائقہ نہین پھر کہہ لونگا"، کس لطیف شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا ہے، یعنی "اگر کہا ہوا جاتا رہا تو پروا نہین، شکر ہے، کہ بن کہا ہوا تو موجود ہے،

[1] آتش رحیمی،

مرنے کے وقت اپنا دیوان جو اُس کے ہاتھ کا مسودہ تھا عبدالرحیم خانخانان کے کتب خانے مین بھیجدیا تھا، کہ مدوّن کردیا جائے، چنانچہ خانخانان نے محمد قاسم مشہور بہ سراج کو اس کام پر مامور کیا، سال بھر کی شبانہ روز کی محنت مین، دیوان کی ترتیب پوری ہوئی، کل چودہ ہزار شعر تھے، خانخانان نے اس محنت کے صلے مین سراج کو انعام اکرام سے مالامال کردیا قاسم نے ایک قطعہ مین ان واقعات کا ذکر بھی کیا ہے

عرفی آن واضع سخن کہ براُو — رشک دارد، روان شروانی
نہ کہ شروانی ست دررشکش — بلکہ ہم رونی وصفاہانی
بعد چندے چو جاے بودن نیست — رفت ازین دیر شش درفانی
ماند از و دُرّ شاہوارے چند — کش قرین نیست بحری وکانی
صورتے چند جملہ بامعنی — خلفے چند جملہ روحانی
لیک آن جملگی پراگندہ — ہمہ از بے سری وسامانی
آن قدر مہلتش نہ داد اجل — کہ بہ ترتیب شان شود بانی
گفت با دوستان بہ گاہ وداع — کاے عزیزان حبیبی وجانی
بہ رسانید زادہاے مرا — بہ جناب معلم ثانی
صاحب حلم وعلم وسیف وقلم — خان خانان سکندر ثانی
دید چون زادہاے عرفی را — ہمہ محمود لعل پیکانی
بعد یک چند، بندہ را فرمود — کہ وہم شان نظام دیوانی

مدتے چند خون دل خوردم　　تا کہ جمع آمد از پریشانی

از خرد خواستم چو تاریخش　　گفت ترتیب دادہ نادانی

ترتیب دادہ سے ترتیب کی تاریخ نکلتی ہی، عبدالباقی نے اسپر ایک دیباچہ بھی لکھا ہی جسمین عرفی کے حالات اور واقعات درج کیے، چنانچہ مآثر رحیمی مین اسکا ذکر کیا ہی، افسوس یہ نسخہ آج بالکل نایاب ہی، ورنہ غالبًا بہت ہی دلچسپ باتین معلوم ہوتین، صمصام الدولہ شہنواز خان نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہی کہ **عرفی** کا ضائع شدہ کلام بھی آخر ہاتھ آیا اور دیوان مین داخل کردیا گیا، لیکن جو نسخے اس سے پہلے شائع ہوچکے تھے وہ ناقص ہے یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہی، مین نے عرفی کے دیوان کے نسخے باہم مختلف دیکھے ہین، میرزا صائب نے اپنی بیاض مین عرفی کے اکثر اشعار انتخاب کیے ہین، جو موجودہ دیوانون مین نہین ملتے۔

کلام پر رائے اس قدر مسلم ہے کہ اصناف سخن مین سے عرفی مثنوی اچھی نہین کہتا تھا چنانچہ اسکے ایک معتقد خاص نے بھی تسلیم کیا،

مثنویش رنگ فصاحت نداشت　　کان نمک بود و ملاحت نداشت

اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ اسکے کلام مین جا بجا خامی پائی جاتی ہے، لیکن ان سب باتون کے ساتھ وہ ایک طرز خاص کا موجد ہی، اور آج تک تمام شعرا اس کی تقلید کرتے آتے ہین، مآثر رحیمی مین ہی،

مخترع طرز تازہ ایست کہ الحال مستعدان و اہل زبان و سخن سنجان

تتبع ادمی نمایند،

ایک عجیب بات یہ ہی کہ اسکی شاعری کی شہرت قصیدہ مین ہی لیکن وہ خود کہتا ہی

قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی　　تو از قبیلۂ عشقی وظیفات غزل ست

عرفی کی نسبت معاصرین شعرا کی راے

میرزا صائب نے اسکا رتبہ نظیری سے کم قرار دیا ہے، چنانچہ کہتے ہین،

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری　　عرفی بہ نظیری نرسانید سخن را

نظیری نے ایک ہم طرح قصیدے مین عرفی کے اشعار کا رد لکھا ہی، ہم ان کو اس موقع پر نقل کرتے ہین، جس سے ظاہر ہو گا کہ نظیری جیسا شخص باوجود پوری کوشش کے عرفی کی شاعری پر اعتراض کرنے مین کامیاب نہو سکا،

دگر کہ گفت مبادا ز راوی شعرم　　درین قصیدہ بروز کمال بنشانی

ترا کہ فضل بحدے بود کہ در بزمت　　طیور وقت ترنم کنند سحبانی

کمال جہل و بلاہت بود کہ طعنہ زند　　بہ نقص مایہ کج فہمی و غلط خوانی

عرفی نے اپنے قصیدہ مین کہا تھا کہ میرا قصیدہ کسی غلط خوان سے نہ پڑھوایا جائے، ورنہ میرا بھی وہی حال ہوگا جو کمال اسمٰعیل کا ہوا تھا، اسپر نظیری اعتراض کرتا ہی کہ خانخانان کی مجلس مین جانور بھی سحبان ہین، اسلیے یہ اندیشہ کرنا کمال حماقت ہے،

دگر نبود ز شرط ادب در آوردن　　بہ سلک مدح تو مدح حکیم گیلانی

گر او بہ فضل فلاطون ست برکشیدہ ترست　　بود بلقب کیان اعتبار یونانی

اگرچہ سایہ ز رفعت زمین نمی گیرد　　ولے نہد بہ پے آفتاب پیشانی

عرفی نے خانخانان کے مدحیہ قصیدہ مین حکیم ابوالفتح کی مدح بھی لکھی تھی، اس پر نظیری اعتراض کرتا ہے کہ ابوالفتح کی آپ کے سامنے کیا حقیقت ہے، وہ آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے اس لیے آپ کے ذکر کے ساتھ اسکا ذکر موزون نہین،

دگرچہ ابر دُرافشان شود کسے نہ کند　　　کلاہ بادشہی را کلاہ بارانی

عرفی نے خانخانان کی مدح مین لکھا تھا کہ ابوالفتح کے غصہ کا بادل جب برستا ہے تو لوگ تیری محافظت کی بارانی ٹوپی ڈھونڈھتے ہین، نظیری کا یہ اعتراض ہے کہ خانخانان کے پادشاہانہ تاج کو کلاہ بارانی نہین کہنا چاہیے تھا،

اگرچہ کشور چین پر ز نقش مانی بود　　　خراب گشت نہ صورت بجاست نے مانی

یہ شعر عرفی کے اس شعر کے جواب مین ہے،

ذخیرہ نہد از من کہ مانی از صورت　　　تمتعے برم از وے کہ صورت از مانی

اعتراض یہ ہے کہ اب نہ مانی موجود ہے، نہ اُسکی بنائی ہوئی تصویرین، اسلیے عرفی نے ممدوح کو مانی سے کیون تشبیہ دی، ان اعتراضات کی جو وقعت ہے، ناظرین خود اندازہ کرسکتے ہین، لطف یہ ہے کہ ان اعتراضات کے ساتھ نظیری نے خود اخیر مین عرفی کے تتبع کا قصد کیا ہے، چنانچہ کہتا ہے،

بطرز وے دو سہ بیتے دگر ادا سازم　　　کہ ہر دعوی او قاطع ست برہانی

عرفی کے لیے یہ فخر کیا کم ہے، کہ نظیری جیسا شخص اُس کی تتبع کا قصد کرتا ہے،

نظیری کو عرفی کے کمال سے انکار ہے تو ہو، لیکن ملک الشعرا فیضی اس کی نسبت ایک خط مین لکھتا ہے،

از یاران دمساز و غمخواران ہمراز کہ دل از صحبت او آب می خورد مولانا عرفی شیرازی ست کہ درین نوروز بہ قدوم خود بر خاک نشینان این دیار منت نہادہ اند، بہ حق دوستی کہ ازین عظیم تر سوگندے نمی داند کہ بہ بلندی دو فور قدرت، و ایجاد معانی، و چاشنی الفاظ، و سرعت فکر، و دقت نظر فقیر کسی را چون او ندیده و نشنیده، و از تہذیب اخلاق چہ گوید کہ در خاکی نہاد شیراز ذاتی می باشد نہ کسبی، چند بیت ایشان بالفعل حاضر بود در حاشیہ این صحیفہ نوشتہ آمد،،

بعد مردن سراے باد ابجاے خاکم | کہ فشانند مصیبت زدگان بر سرِ خویش
اے زلف عروس شادمانی شب تو | آرایش بزم بیغمی، مشرب تو
انباشتہ ہجران بہ نمک داغ دلم | امانہ از ان نمک کہ دارد لب تو
عشق آمد و رفت خون چکان در بازار | زہد آمد و کرد نقد تزویر نثار
آن پنبہ داغ جست در این پنبہ گوش | زان حبل متین تافتہ شد زین زنار

ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہین کہ عرفی کا کلام گلی گلی اور کوچہ کوچہ مین کتب فروش بیچتے پھرتے ہین، اور اہل عراق اور ہندوستانی تبرکاً لیتے ہین،، اس سے بڑھکر حسن قبول کی کیا دلیل ہو گی،

عرفی کا کلام عرفی کی عمر ۳۶ برس سے زیادہ نہین ہونے پائی، ابو الفضل کی درندازی نے اس کو دربار مین کامیاب نہین ہونے دیا، تمام ہمعصر شعرا اس سے ناراض تھے اسکے کلام مین کثرت سے ناہمواریان اور خامیان ہین، ان سب باتون پر بھی اکبری دور مین جس قدر اس کا نام روشن ہوا کسی کا نہو سکا، اور اب بھی اسکے قصائد تمام ہندستان کے مکاتب مین داخل نصاب ہین، اس سے خود بخود قیاس ہو سکتا ہی کہ اسکے کلام مین ایسے جوہر ہین جن کی چمک کو کوئی چیز نہین مٹا سکتی،

حقیقت یہ ہی کہ وہ ایک طرز خاص کا موجد ہی عبد الباقی جو خود اس کا معاصر ہی لکھتا ہی،

مخترع طرز تازہ ایست کہ الحال در میانہٴ مستعدان واہل زمان معروف ست وسخن سنجان تتبع او می نمایند،

اسکے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

زور کلام

۱- زور کلام جس کی ابتدا نظامی نے کی تھی، عرفی نے اسکو کمال کے درجہ تک پہنچا دیا، زور کلام ایک جدا گانہ چیز ہے جس کا اندازہ صرف مثالون سے ہو سکتا ہی، جملاً یہ کہ سکتے ہین کہ الفاظ کی شان وشوکت، بندش کی چستی، فقرون کا دروبست، خیالات کی رفعت، مضامین کا زور، اسکے ضروری عناصر ہین، عرفی کے کلام مین یہ تمام باتین موجود ہین مثلاً

ہا ہنین پنجۂ تیغش بہ اجل گفت کہ من | موج بر موج شکستم چو بہ عمان رفتم
اگر نہیبِ ہد چرخ داغ گون گردد | دگر عتاب کند آفتاب خون گردد
دوش بر دوش قضا رودست در آغوش قدر | آمد از پردہ برون، پردگیِ صنع خدای

چمن آید بہ چمن بہر تماشائے جمال
بلبل آید بُبر بلبل بہ تمنائے غزل

مرحبا اے نظر بخت تو کیوان پرور
مرحبا اے گہر ذاتِ تو امکان آرائے

ہر سر مویش اگر باز شگافی بخرد
سومناتے ست کہ چیدہ درولاتِ ہبل

اس مضمون کو کہ ممدوح بڑے بڑے سلاطین کو شکست دیتا ہے، اس انداز سے ادا کرتا ہے،

رمح او گوید اگر جنگ و گر صلح کرمن
بہ کشاد گرہ جبہۂ خاقان رفتم

یعنی اُسکا نیزہ کہتا ہے کہ لڑائی ہو یا صلح، مین ہمیشہ خاقان چین کی پیشانی کی بل کھولدیا کرتا ہون

اس مضمون کو کہ مین معشوق پرستی کی وجہ سے ذلتین اُٹھاتا ہون یون ادا کرتا ہے،

زان شکستم کہ بہ دنبال دل خویش مدام
در نشیب شکن زلف پریشان رفتم

دشمن کے مرعوب ہونے کو اس طرح ظاہر کرتا ہے،

زرعشۂ باطن خصمت چو جعد حور و خان
شکن بروئے شکن خم بروئے خم چیند

ممدوح کے جود و کرم، جاہ جلال، حکومت و اقتدار کو یون ادا کرتا ہے

فارس حکمش بہ جولان رفت و گفت
آفتابم گوست، چوگان میزنم

یعنی اُسکے حکم کا سوار میدان مین گیا اور بولا کہ، آفتاب ایک گیند ہے جس سے مین کھیل رہا ہون

گفت جاہش دہر برمن تنگ شد
چاک در افلاک ارکان میزنم

یعنی اُسکے دبدبہ نے کہا کہ زمانے مین اب مین سما نہین سکتا، اسلیے افلاک اور عناصر کو چاک کیے دیتا ہون،

گفت جودش سیم و زر در کان نماند   سکۂ بر پیشانی کان میزنم

یعنی اُس کی سخاوت نے کہا کہ چاندی اور سونا کان مین نہین رہا، اس لیے خود کان کی پیشانی پر سکّہ لگاتا ہون،

اس بات کو کہ اگر ممدوح کے خلاف مزاج کوئی شخص بات کہے، تو فوراً واپس لے گا، یون ادا کرتا ہے،

ہر حدیثے کہ رضایت بسامعش نبود   از درِ گوش سراسیمہ بلب گردد باز

یعنی جو بات کہ اسکے سامعہ کے خلاف مرضی ہو، وہ کان تک آکر سخت بدحواسی کے ساتھ بولنے والے کے ہونٹون کی طرف پلٹ جائے گی،

اس بات کو کہ حریف کس برتے پر میرا مقابلہ کرسکتا ہے اس طرح ادا کرتا ہے،

خصم و طرزِ سخنِ من بچہ فہم و بچہ درک   غیر و نظم گہرِ من بچہ برگ و بچہ ساز

ممدوح کی تحریض اور نعرہ جنگ سے بہادری کے عام اثر پیدا ہوجانے کو اس طرح ادا کرتا ہے،

اگر بصحن چمن فی المثل شجاعت او   دہد نہیب کہ ہین یاسمین و ہان نرگس

چو عکس لالہ زند یاسمین در آب آتش   ق   چو شاخ بید کشد خنجر از میان نرگس

یعنی اگر اس کی شجاعت باغ مین ڈپٹ کر چنبیلی اور نرگس سے کہے کہ ہان لینا، تو چنبیلی لالہ کے عکس کی طرح پانی مین آگ لگادے گی، اور نرگس، بید کی شاخ کی طرح کمر سے تلوار کھینچ لے گی،

نہیب، ہین دہان، آتش در آب زدن، خنجر از میان کشیدن، الفاظ اور عکس لالہ اور شاخ بید کی تشبیہ، ان سب باتون نے مل کر کلام مین کس قدر زور پیدا کر دیا ہی، چونکہ اسکا کلام عموماً پُرزور ہوتا ہے اسلیے چند مثالون پر اکتفا کیا گیا، آگے اور اور عنوانون کے ذیل مین جو اشعار آئینگے ان پر زور کلام کی حیثیت سے بھی نظر ڈالنی چاہیے،

۲- **الفاظ کی نئی نئی ترکیبین**، عرفی نے سیکڑون نئی نئی ترکیبین اور نئے نئے استعارے پیدا کیے جن سے جدت اور طرفگی کے علاوہ نفسِ مضمون پر خاص اثر پڑتا ہے مثلاً،

خیز و شراب حیرتم زان قدِ جلوہ ساز دہ　　روے بروے حسن کن، دست بدست ناز دہ

مریمی کن تو کہ فرزند مسیح است و مسیح　　حاتمی کن تو کہ اقبال گدای ست گدائے

مرحبا اے رعنایاتِ ازل رمز فروش　　مرحبا اے بہ علاماتِ ہنر خویش ستائے

ناخنِ قدرتِ او پردۂ تحقیق شگاف　　خامۂ دولتِ او چہرۂ توفیق کشائے

گلِ اندیشۂ من، سحر غلط معجزہ رنگ　　بلبل نطق من، الہام غلط، وحی سرائے

بہ تُتُق مہ کنعان کہ بود حسن آباد　　بہ حجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زا

بہ تیشۂ کہ بہ اطراف صورتِ شیرین　　ہمہ کرشمہ تراشید و ریخت بر کہسار

بہ بخل وعدہ تراش و قناعت عیاش

کہ گر شود دارہِ کوی تو جملہ نشتر خیز　　کنم بہ مردمکِ دیدہ سطح نشتر زار

بہ روش مہر فزا و بہ نگہ صبر گداز،

یہ ترکیبین جس قدر بدیع ہین، اُسی قدر مضمون مین زور اور وسعت پیدا کرتی ہین، فرض کرو اگر یہ کہنا چاہین کہ مجلس مین کثرت سے خوش جمال مجمع تھا تو یہ مضمون جس وسعت کے ساتھ صرف اس لفظ سے ادا ہوسکتا ہی کہ "مجلس" یوسف کدہ بن گئی تھی"، سیکڑون الفاظ مین ادا نہین ہوسکتا،

اسی طرح نشتر خیز، معجزہ رنگ، رمز فروش، کیوان پرور، امکان آرائے، حُسن آباد صبر گداز، وغیرہ ترکیبون سے مضمون مین جو زور، وسعت، اور رنگینی پیدا ہوتی ہی محتاج اظہار نہین، اسی قسم کی ترکیبین متوسطین اور متاخرین کی خاص ایجاد ہین، عرفی اگرچہ ان کی ایجاد کا خدائے یکتا نہین تاہم خدا ضرور ہے

جدت استعارات و تشبیہ

۳- عرفی کے کلام کی خصوصیات مین سے ایک بڑی خصوصیت استعارات کی جدت اور طرفگی ہی، یہ مسلم ہی کہ انشا پردازی اُسی قدر لطیف اور پُرزور ہوگی جسقدر استعارات لطیف اور پُرزور ہونگے، عرفی نے استعارات کی جدت اور تنوع سے ایک گونا گون عالم پیدا کردیا، ان مین بعض بے مزہ اور دور از کار ہین، جیسا کہ صاحب آتشکدہ اور مجمع الفصحا کا خیال ہی لیکن زیادہ تر ایسے ہین، جو ایوانِ شاعری کے نقش و نگار ہین، مثلاً

میر ابوالفتح کز سیاستِ او	غمزۂ زہرہ خنجر اندازد
زان طفل اشک من ہمہ خون شد کہ اوفتاد	دوش از دریچۂ دل و امشب زبام چشم
دلم چو رنگ زلیخا شکستہ در خلوت	غمم چو تہمتِ یوسف دیدہ در بازار
پرچم رُمح تو در آشوب گاہِ معرکہ	لیلۃ القدرے ست در ہنگامۂ یوم الحساب

ع۔ بہ بر شگفتن امروز غنچہ گشتن دی،

یعنی آج کا دن گویا ایک پھول ہے، جو کھل رہا ہے، اور کل کا دن کھل کر مرجھا گیا اور غنچہ بن گیا،

بہ خوی فشانی شبنم بہ خود فروشی گل　　بہ نیزہ بازی سوسن بہ دشنہ سازی خار
ز نور ناصیات ماہ گر ضیا گیرد　　بہ آفتاب دہد نسخہ سنین و شہور

ع، چو صبح بیضۂ خورشید پرورد بہ شکم،

ع، کہ بتابیدن سر پنجہ مردان رفتم،
پنجہ مروڑنا

بزم گاہ تو حجلۂ یوسف　　رزم گاہ تو شانۂ ضحاک
دست مظلوم را چو کرد دراز　　صد شبیخون بہ شعلہ زد خاک
از خم مدت تو جام نخست　　جرعۂ دور آخر افلاک

یعنی تیری درازی عمر کی شراب کا پہلا جام، آسمان کا اخیر دور ہے،

حلۂ لفظ بر قد معنی　　صد روش دوختی و کردی چاک
آسمان دریوزہ کردہ آفتابش کرد نام　　لعلے از آویزۂ گوش شب یلدائے من
خوردہ ہر دم صد شکست از فوج قدر آشوب حسن　　شوق بے ہنگام نازمست بی پروائے من

۴۔ عرفی کا زور طبع، اور فصاحت و بلاغت کا زور شور وہاں نظر آتا ہے، جہاں مسلسل معنا! وہ قصائد میں کوئی مسلسل مضمون ادا کرتا ہے اور یہ اسکا خاص انداز ہے، مثلاً خانخاناں کے بیٹا پیدا ہونے پر جو قصیدہ لکھا ہے، اس کی تمہید اس طرح شروع کی ہے،

بود در کتم عدم بکر طبیعت رعناے — کہ خرد بر سرش استادہ ہمی گفت برآے

چند در پردہ نشیند خلف دودۂ کون — محرمی نیست مگر ہم تو شوی پردہ کشاے

مربی کن تو کہ فرزند مسیح است و مسیح — حامئی کن تو کہ توفیق گدائیست و گداے

این سخن گوش زد بکر طبیعت چون گشت — خندہ زد گفت کہ رہ صبر کن و ژاژ مخاے

گوشہ گیرد جگری خورد و تلخی می کشش — تا بعہدے کہ شود صاحب تو ملک آراے

خلق از مژدہ بر و مژدہ شنو جمع شوند — ہمہ جوہر طلب و جوہری و گنج ستاے

فلک آمادہ شود زہرہ مہیا گردد — آن یکے حلہ طراز آید و این غالیہ ساے

من بصد ناز و کرشمہ ہمہ رنگ و ہمہ بوے — بر سر حجلۂ ارکان (عناصر) نہم از خلوت پاے

پس در آید بہ برم آن کہ نقش نام زدم (بشکسپیئر اور ملٹن) — او کشد بند نقاب من و من بند قباے

لعنت کی تمہید اس طرح لکھتا ہے،

آمد آشفتہ بخوابم شبے آن مایۂ ناز — بہ روش جلوہ فزا و بہ نگہ صبر گداز

چہ پری چہرہ نگارے کہ ندارد مثلش — در پس پردۂ فطرت فلک لعبت باز

دیدم القصہ کہ خوش گرم عنان ست روان — سودم اندر قدمش چہرہ بصد عجز و نیاز

گفتم اے عربدہ جو چیست گناہم کہ کند — بہ تعرض ہمہ خشمی بہ تغافل ہمہ ناز

گفت این خود نہ گناہ ست کہ ساکت شدہ — از ثنا گستری شاہ سریر اعجاز

منفعل گشتم و فی الحال بہ وادی مدیح — مرکب طبع جہاندم بہ ہوائے تگ و تاز

رہ نبردم بہ سر کشور معنی ہر چند — کہ در ان بادیہ راندم بہ نشیب و فراز

گریہ آلود فتادم بگراند رقدمش — گفتمش اے مایۂ آرام دل اہل نیاز

از جبین چین بکشا تا دل من جمع شود — کہ پریشہ کند مرغ خیالم پرواز

این سخن در دلش از درد اثر کرد و سرم — برگرفت از قدم خویش و بلطف آمد باز

بے حجابانہ زدم بوسہ بدستش از شوق — گفتم اکنون بدہ اجازت کہ شوم حرف طراز

جہانگیر نے شاہزادگی کے زمانہ مین عرفی کا شہرہ سنکر دربار مین بلایا چونکہ عرفی جہانگیر کا عاشق تھا ہمہ تن شوق اور بیتابی کے عالم مین گیا، جہانگیر نے نگاہ لطف سے دیکھا اور اشارون مین باتین کین، پھر مسکرا کر قصیدے کی فرمایش کی اس دلچسپ داستان کو قصیدۂ مدحیہ مین ادا کرتا ہے

صباح عید کہ در تکیہ گاہ ناز و نعیم — گدا کلاہ نمد، کج نہاد و شہ دیہیم

جہان چنین خوش و من خوشتر آنچنان کہ وثاق — نشستہ با خرد اندر تعلم و تعلیم

کہ ناگہان ز در من در رسید مژدہ دہے — چنان کہ از چمن طالعم ز مغز شمیم

چہ گفت؟ گفت کہ "اے مخزن جواہر قدس" — چہ گفت؟ گفت کہ "اے مطلب بہشت نعیم"

بیا کہ از کرمت یاد می کند دریا (یعنے جہانگیر) — بیا کہ تشنہ لبت را طلب کند تسنیم (چشمۂ بہشت کا)

ازین پیام دلم شد شگفتہ و شاداب — چنان کہ باغ ز شبنم چنان کہ گل ز نسیم

بره فتادم و گشتم چنان شتابندہ — کہ دست اہل کرم در نثار گوہر و سیم

چو روزگار رسیدم بہ درگہے کہ کند — زمانہ طوف حریمش بہ دیدۂ تعظیم

رسیدن من و اقبال آن ہمایون فال — چنان فتاد مطابق در آن خجستہ حریم

که گر ادب نکشیدی عنان من قدمش　　ببوسه گاه همی کرد بر لبم تقدیم

یعنی میرا وہان پہونچکر زمین بوس کے لیے گرنا، اور شاہزادہ کا سامنے سے آنا اس قدر مطابق پڑا کہ اگر مین ادب سے رُک جاتا تو بجاے اسکے کہ میرے لب اسکے قدم چومتے اُسکے قدم میرے لب کو چوم لیتے،

مرا چو دوش بدوش ادب بدید استاد　　بلطف خاص بدل کرد التفات عمیم

رموزِ کُرنش و تسلیم را ادا کردم　　بہ داب مردم دانا و بذلہ سنج ندیم

نگفت و من بشنودم ہر انچہ گفتن داشت　　کہ در بیان نگنجش کرد بر زبان تقدیم

یعنی اُسنے کچھ نہین کہا، لیکن مین نے سُن لیا کیونکہ اظہار مطلب مین اُسکی نگاہون نے زبان سے پیش دستی کی، مطلب یہ کہ پہلے اشارون مین باتین ہوئین،

لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت　　فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

یعنی جب ہونٹونکی باری آئی (یعنی اُسنے تقریر شروع کی) تو میرا سامعہ کوثر کی موجون مین ڈوب گیا،

بخندہ گفت کہ در عذر این گناہ بزرگ　　کہ رفتہ نام تو بے حکم ما بہ ہفت اقلیم

ہمین کہ رفتی ازین آستان نوشتہ بیار　　گزیدہ نسخہ از زادہاے طبع سلیم

ابو الفتح کے دربار مین جب ملازمت کا تعلق کرنا چاہا ہی تو قصیدہ لکھ کر لیگیا ہی، اور عجیب لطیف پیرایہ مین اپنی ملازمت کی خواہش ظاہر کی ہی،

خدایگانا! دارم حکایتی بر لب　　کہ چون مسیح تو نتوانمش بہ لب استاد

خیال بندگیت دوش نقش می بستم — زروے کسب شرف نے زروے استعداد

کہ ناگہ از در اندیشہ خانہ، شاہد عقل — کہ شمع خلوت اسرار مبدء است و معاد

کرشمہ سنج و تبسم کنان درآمد و گفت — کہ عید بندگی صاحبت مبارکباد

من از تعجب این حرف دلکشا گفتم — کہ اے ز لطف کلام تو ملک نزل آباد

نہ آسمانم و نے آفتاب و نے بہرام (عطارد) — کزین مطایبہ (ظرافت) گردم ز سادہ لوحی شاد

تو ہم ز حرف تنک مایہ تر زبان نشوی — بگو کہ صورت این مژدہ، از چہ معنی زاد؟

جواب داد کہ این مژدہ را دلیلے ہست — کہ دست فطرتم آن رالبطاق حصر نہاد

ہمین نفس، ادب آموز قدسیان جبریل — دریچۂ حرم قدس را بدیدہ کشاد

بسوی کاتب اعمال بانگ زد و گفت — کہ اے رقم کش کردار خوب و زشت عباد

بشوی نامۂ عرفی کہ ایزد متعال — ز بندگان خودش برگزید و کرد آزاد

اگر نہ بندگی صاحبت بہ فال آمد — سبب چہ بود کہ جبریل این ندا در داد

من از متانت برہان بشرم غوطہ زدم — شکست بر رخ اندیشہ زنگ استعداد

بخدمت آمدم اینک بگو چہ مصلحت است — برآستان تو باید نشست؟ یا استاد

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے، ابو الفتح کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ اے مخدوم! کل مین آپکی نوکری اور ملازمت کا خیال دل مین پکار رہا تھا وہ بھی اس بنا پر نہین کہ مین اس قابل ہون بلکہ اسلیے کہ یہ میری عزت کا سبب ہے، اسی حالت مین عقل نے مجھ سے آکر کہا کہ مبارک تم سرکار مین ملازم ہو گئے، مین نے متعجب ہو کر کہا کہ مین آسمان یا عطارد کیطرح سادہ لوح

نہین کہ اس مذاق پر یقین کرون گا، آخر اسکا کوئی ثبوت بھی عقل نے کہا ابھی جبریل نے حرم قدس کے دریچے کھولے اور کاتب اعمال کو حکم دیا کہ عرفی کا نامۂ اعمال دھو ڈالو کیونکہ خدا نے اسکو اپنے برگزیدہ بندون مین داخل کر لیا، مین اس دلیل کی متانت سے شرمندہ ہو گیا اور اب خدمت عالی مین حاضر ہوا ہون، کیا ارشاد ہے کہ آستانۂ عالی پر بیٹھنے کی اجازت ہے یا مودب کھڑا رہون،

اس قسم کی اور بہت سی مثالین اسکے کلام مین موجود ہین جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک واقعہ کو کس ترتیب اور کس تسلسل اور کس شاعرانہ انداز سے ادا کر سکتا ہے،

۵۔ قصائد مین شعرا کی یہ مجال نہ تھی کہ بادشاہ کی مدح وثنا کے سوا اپنا ذکر کر سکین اور کبھی ایسا کرتے تھے تو صرف اپنی بیچارگی اور بیکسی کا اظہار کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ حضور اور شعراء کی زیادہ قدر کرتے ہین، حالانکہ مین ان سے بڑھکر ہون عرفی چونکہ بالطبع نہایت غیور اور خوددار تھا، اسلیے مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے امرا اور سلاطین کی مدح کرتا تھا لیکن ساتھ ہی اپنے فضائل اور اوصاف بھی جی کھول کر بیان کرتا، اور مزے لے لیکے کہتا تھا، شاید ہی کوئی ایسا قصیدہ ہو جس مین ایک دو شعر فخریہ نہون، شہزادہ سلیم کی مدح مین خودستائی کا بالکل موقع نہ تھا، تاہم کہتا ہے،

خدایگانا اگویم بہ مدح خویش دو بیت   کزان نیارد پرہیز کرد طبع سلیم

(یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کم سے کم دو شعر بھی اپنی مدح کے نہ کہون اسکے بعد دو شعر فخریہ لکھے ہین)

اہل ادب نے انواع شاعری مین فخریہ کو ایک خاص صنف قرار دیا ہے، فارسی مین

اس خاص صنف مین **عرفی** کا کوئی ہمسر نہین، عجیب عجیب نئے اسلوب سے فخریہ لکھتا ہے اور اس جوش سے لکھتا ہے کہ آپے سے باہر ہوا جاتا ہے، ایک قصیدہ مین ممدوح کو خطاب کر کے کہتا ہے عرفی کا غرور اب حد سے بڑھ گیا، آپ کبھی اسکے شعرون کی تحسین نہ کیجئے پھر اپنی تمام خوبیون کو عیب کے پیرایہ کے بہانہ سے ذکر کر جاتا ہے،

داد یک شہر ز عرفی بستان کین مغرور ۔۔۔ کبر و نازش نہ باندازۂ قدر است و محل

نیم تحسین مکن ار گوید صد بیت بلند ۔۔۔ کہ دماغش شدہ از حسن طبیعت مختل

عرفی اگر سیکڑون عمدہ شعر کہہ جائے تب بھی اسکی تعریف نہ کیجیے، کیونکہ اسکا دماغ، حسن طبیعت کے غرور سے مختل ہو گیا ہے

ہر سر مویش اگر باز شگافی بنگر ۔۔۔ سومناتیست کہ چیدہ است در و لات و ہبل

عرفی کا ایک ایک بال چیر کر دیکھا جائے تو ایک سومنات نظر آئے گا جس مین بت چنے ہوئے ہین،

بہر اصل و نسب خویش نویسد بیرون ۔۔۔ ہر چہ خواہد ز نسب نامۂ ارباب دول

عرفی تمام ارباب دول کے نسب نامے اپنے نسب مین ملا لیتا ہے،

گوہر آمای رموز ست نہ دریا و نہ کان ۔۔۔ حکمت آموز عقول ست و نہ علم و نہ عمل

دریا ہے نہ کان، باوجود اسکے دعوی کرتا ہے کہ رازکے موتی میری خزانہ مین ہین، نہ علم ہے نہ عمل، باوجود اسکے عقول عشرہ کو حکمت سکھاتا ہے

چہ بلا عیب تراشم کہ حسد کم بادا ۔۔۔ مشنو عیب زرد ہد ہی از سیم و غل

مین کس بلا کا عیب جو ہون، آپ خالص سونے کا عیب، کھوٹی چاندی سے نہ سنئے

انچہ ذرات معانی ست کہ بر وے جوشند ۔۔۔ ہمہ خورشید شود گر بشناسند محل

مضامین کے ذرے جو اسکے دل مین چمکتے ہین وہ اگر اپنا رتبہ پہچانین تو سب آفتاب بن جائین،

دارد از عزتِ اصلِ گہر و ذلت شعر — پاے در تحت ثری دست در آغوشِ زحل
(خاندان)

یعنی خاندانی اعزاز اور شعر کی ذلت کی وجہ سے اسکے پاؤن تو تحت الثری مین ہین
لیکن ہاتھ زحل کی آغوش مین ہے،

عزت او نہ شہیدی ست کہ حشرش باشد — ورنہ نگریستمے از ستم مدح و غزل
اگر او نامزد و تنگ شد از ذلت شعر — شعر از عزت او نیک برآید ز ذل

یعنی عرفی تو شعر کی وجہ سے ذلیل ہوا، لیکن فن شعر معزز ہو گیا،
اکبر کے دربار مین خودستائی کی کس کو جرات ہو سکتی تہی تاہم کہتا ہے

شہا! بہ بزم تو چون این قصیدہ برخوانم — کہ گنگ نظم ز فیضش گرفتہ است نظام
سزد بجایزہ با جیب پُر گہر گردون — بدوشم افگند این جامۂ زمرد فام

عرفی نے قصائد مین جس قسم کی خودداری کے خیالات کی ابتدا کی تہی اگر اسکی طرف عام خیالات کا میلان ہو گیا ہوتا تو شاید یہ صنف کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی،

مضمون آفرینی

۲۔ عرفی کی مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا دوست اور دشمن دونون نے اقرار کر لیا ہے اس مین مطلق شبہہ نہین ہو سکتا کہ اس کی قوت تخیل نہایت زبردست تہی، لیکن اس زمانہ کا مذاق یہ تہا کہ یہ قوت صرف مبالغہ، جدت تشبیہ، اور حسن تعلیل وغیرہ پر صرف کیجاتی تہی، عرفی کا زور بہی انہین فضول چیزون پر ضائع ہوا، تاہم جو نمونے موجود ہین انسے یہ قطعی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر اس سے بجا طور پر کام لیا جاتا تو شاعری کی سرحد کہین سے کہین پہونچ جاتی، ہم چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین،

آن کہ چون در کنف چتر ہمایون آنتاب | ہم عنان ظفر از راہ غزا گردد باز
زہرہ گیسو بکشاید کہ شود گرد فشان | از رکابش کہ پذیرفتہ غبار از تگ و تاز
فتح گوید چہ کنی چشم من ست این نہ رکاب | سرمۂ چشم جہان بین مرا پاک مساز

یعنی جب رسول اللہ چتر کے سایہ مین میدان غزا سے واپس آتے ہین تو زہرہ چوٹی کھول کر چاہتی ہے کہ رکابون پر جو گرد پڑ گئی ہے اسکو جھاڑ دے۔ فتح کہتی ہے ارے! یہ کیا کرتی ہے؟ یہ رکاب تھوڑی ہی ہے یہ تو میری آنکھین ہین، اسکے سرمہ کو گرد کو سرمہ قرار دیا ہے کیون چھڑاتی ہے،

احتساب تو اگر عارض نہی افروزد | ای سرا پردۂ عصمت تو با زینت ساز
زخمہ ہر چند کہ انگشت نہد بر لب تار | نغمہ از بیم نیارد کہ بر آرد آواز

یعنی اگر آپ کا احتساب ظہور مین آئے تو مضراب گو کتنا ہی تار کو چھیڑے لیکن نغمہ کبھی ڈر کے مارے آواز اونچی نہ کر سکے

ہر حدیثے کہ رضایت بسماعش نبود | از در گوش سراسیمہ بلب گردد باز
وحش اللہ زہی شبگیر سمند تو کہ ہست | دو دمان کسل از شوخی و مستاں وصال
آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی | از ازل سوئے ابد و ز ابد آید بازل
قطرہا کش دم رفتن چکد از پیشانی | شبنم آساش نشیند گہ رجعت بکفل

گھوڑے کی تعریف

سبحان اللہ گھوڑا

یعنی گھوڑا اس قدر تیز رفتار ہے کہ اگر تو اسکو دوڑا لے تو ازل سے ابد اور ابد سے ازل تک کا چکر اتنی دیر مین لگا آئے گا کہ جاتے وقت اسکی پیشانی سے جو قطرے ٹپکین گے وہ واپسی

مین اسکے ہاتھون پر ٹپکین گے اور زمین پر نہ گرنے پائین گے،

طرزِ ادا کی جدت عرفی جدت ادا کا گویا موجد ہی، اور اسکا ہر شعر جدت کی ایک نئی مثال ہی، جو اشعار اوپر گذر چکے اُن مین بیسیون مثالین ملین گی، اس لیے ہم صرف چند اشعار پر اکتفا کرتے ہین،

مو بموئیم دست شد ترسم کہ استیلاے عشق — یک انا الحق گوے دیگر بر سرِ دار آورد

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در معبدِ ما — سبحۂ نیست کہ آن غیرتِ زنارِ تو نیست

در دل شکنی آفتِ دہر ست نگاہش — طفلے کہ پدر می شکند طرفِ کلاہش

ساقی توی و سادہ دلی بین کہ شیخ شہر — باور نمی کند کہ ملک می گسار شد

زخمہا برداشتیم و فتح ہا کردیم لیک — ہرگز از خون کسے رنگین نشد دامانِ ما

فارغ ز خیرگی نگرد در روے آفتاب — این دیدہ آزمودۂ نظارۂ کسے ست

گوش معزول ست در خلوت گہِ اربابِ راز — دود شمعِ خلوتِ ایشان بروزن دشمن ست

لباسِ صورت اگر واژگون کنم، بینند — کہ خرقۂ خشنم مایۂ طلاباف ست

ایما و اشارت نہ باندازۂ راز ست — این رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز ست

نسبت سبحۂ و زنار دو صد رنگ آمیخت — ورنہ این رشتہ ہمان ست کہ آدم می رشت

عشق اگر غم داد و جان و دل تسدعیش مکن — بیع اول بودہ آشوبِ خریدارے نبود

زنند طعنہ بمحشر بہشت جویان را — کہ این گروہ رعایاے ہمتِ پستند

شہید مضطربے خاک شد، مگر برہت — کہ بے نسیم براہِ تو گرد مے خیزد

ہلاک جوہرِ شمشیرِ نازِ خوبانم — کہ تا ز زخم جدا گشتہ زنگ می گیرد

مدار جلوہ دریغ از دلم کہ خرمنِ حسن — نخوشہ چینیِ آئینہ کم نمے گردد

دل نشد فرزانہ و عقل از فسون دلگیر شد — بر جنون افزودمش تا قابلِ زنجیر شد

فسانہا کہ ببازیچہ، روزگار سرود — کنون بہ بند جمشید و تاج کے بستند

کمند کوتہ و بازوے سست، و بام بلند — بمن حوالہ و نومیدیم گنہ گیرند

کلید میکدہ ہا را بمن دہید کہ من — نہ آن کسم کہ باندازہ مست می گردد

چہ لطاعت طلبی، برہمنان را زاہد! — تو ریا ورز کہ این طائفہ کارے دارند

بساطی کاندرو طرح دو عالم می توان کردن — بدست آوردہ ام، اندازہ ویر کار می باید — علوئ ہمت

بہ طورِ بانہ گنجبد، منع دیدار — دگر این راز، با موسیٰ مگوئید

دہر ہر دافگن بہ میدانم کند تکلیف و من — این متاع افتادہ بر بالاے بستر می خرم

مہربیمائی مجواز من کہ من این جنس را — غائبانہ می فروشم، در برابر می خرم — صدق دوستی

تمام بود بیک حرفِ گرم دما غافل — حکایتے کہ ہمہ نا تمام مے گفتند

بہ آفتاب ازان ذرہ را در اندازند — کہ عذر مردم کاہل بہ ناکسے نہ نہند — بلند ہمتی

موبمویم رشتہ زنار شد و از ناکسے — در خرابات مغان بدنام اسلامم ہنوز

عشقیہ شاعری | عرفی ایک طرف تو نکتہ سنج اور نکتہ شناس اور ذوق عرفان سے آشنا تھا، دوسری طرف، شباب مین نہایت خوش رو اور حسین اور لوگون کا منظور نظر رہ چکا تھا، ہندوستان مین آیا تو شہزادہ جہانگیر پر عاشق ہوا، ان اسباب کی بنا پر وہ عشق اور

محبت کی ایک ایک ادا سے واقف تہا، وہ کہین عشق حقیقی کے اسرار اور دقائق بیان کرتا ہی اور کہین مجازی عشق مین جو واردات اور معاملات پیش آتے ہین، اُنکو ظاہر کرتا ہے، لیکن اس عالم مین بہی وہ اپنے تمام ہمعصرون سے اس بات مین ممتاز ہی کہ وہ سطحی اور سرسری واردا تین نہین بیان کرتا بلکہ گہرے اور دقیق معاملات پر اُس کی نظر پڑتی ہی اور انہین کو شاعرانہ انداز مین ادا کرتا ہے،

شوق دیدار مین عاشق ہمہ تن نظارہ بن جاتا ہے، اس حالت کو یون ادا کرتا ہی

چگونہ مانع نظارہ ام شوی کہ مرا ۔ زشوق روے تو، سرتا قدم نگہ خیزست

استیلاے عشق کی حالت مین ہر قسم کے عام جذبات بہی عشق ہی کا رنگ اختیار کر لیتے ہین، مثلاً عشق کی حالت مین اگر کوئی دنیوی صدمہ بہی پیش آتا ہی تو وہی مزہ دیتا ہے جو عشقیہ صدمات سے حاصل ہوتا ہے، اس حالت کو ادا کرتا ہے،

در دلِ ما غمِ دنیا غم معشوق شود ۔ بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معشوقون کے سامنے جب کوئی انکا ناز بردار نہین ہوتا تو آپ ہی آپ بگڑتے ہین، اور گویا خود اپنے آپ پر ناز افشانیان کرتے ہین۔ اس مخصوص اور مخفی حالت کو بیان کرتا ہی،

فغان زغمزۂ شوخی کہ وقت تنہائی ۔ بہانۂ بخود آغاز کردہ در جنگست

جوش حسن مین کبھی ایسا ہوتا ہی کہ معشوق آئینہ دیکھ کر، خود اپنے آپ کو پیار کرنے لگتا ہے اس حالت کو دکھاتا ہی،

دہن خویش ببوسند و لب خویش مکند　　　چون در آئینہ بینند بتان صورت خویش

معشوق لطف اور نوازش کے ذریعہ سے عاشق کا دل مسخر کرسکتے ہین لیکن عموماً وہ ایسا نہین کرتے، بلکہ ظلم پسندی کی وجہ سے اسکے بجاے ناز اور قہر و عتاب سے کام لیتے ہین، اس معاملہ کو عجیب لطف سے بیان کیا ہے،

بہ ملک ہستی من بر نہادہ سلطانی　　　کہ ما بصلح دہیم او بجنگ می گیرد

یعنی ہمارے ہستی کے ملک پر ایسے بادشاہ نے چڑہائی کی ہے کہ ہم صلح سے دیتے ہین لیکن وہ خواہ مخواہ لڑکر لیتا ہے،

معشوق یون تو ہر وقت جلوہ فروشی کیا کرتے ہین، لیکن کوئی تقاضا کرے تو رک جاتے ہین اور ترساتے ہین، اس کیفیت کو ادا کرتا ہے،

حسن را از شیوہ ہا گاہے بود میلے بناز　　　ورنہ موسی بر طلب صد رہ تماشا کردہ بود

عاشق، ہجر کے زمانہ مین معشوق کی ایک ایک بات اور خصوصاً اسکی معشوقانہ نگاہونکو حافظہ کے خزانے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہے، اور اس سے مزے لیتا ہے یا اسپر حسرت کرتا ہے اس واقعہ کو یون بیان کرتا ہے،

ہر متاعے کز نگاہش می خرم در روز وصل　　　می نشینم گوشہ و از خود بکر رسے خرم

ابتداے عشق مین ہمہ وقت جوش اور درد و گداز ہوتا ہے اسکی تصویر کھینچتا ہے،

عشق می گویم و می گریم زار　　　طفل نادانم و اول سبق ست

معشوق سے خواہش کرتا ہے کہ ستانا ہے تو ہم کو ستا کہ ہم پہلے ہی سے زخمی ہین اور ہمارے

ستانے مین تجھ کو اور خود ہم کو زیادہ مزہ آئے گا،

ہر گاہ کہ از لطف بہ کین میل تو بیش ست　　اول نمکِ سینۂ ما پاش کہ ریش ست

یعنی چونکہ تمھارا میلان بہ نسبت لطف کے ظلم کی طرف زیادہ ہی اسلیے پہلے ہمارے سینہ پر نمک چھڑکو کہ وہ پہلے ہی سے زخمی ہی،

معشوق اگر ہمیشہ ظلم اور بے اعتنائی ہی کیا کرے، تو عاشق اسکا خوگر ہو کر ایک اطمینانی حالت پیدا کرلے لیکن مصیبت یہ ہوتی ہے کہ معشوق کبھی کبھی لطف اور نوازش کی بھی چاشنی چکھا دیتے ہین، اسکے بعد سرد مہری، اور زیادہ چڑکے دیتی ہے، اس کیفیت کو ادا کرتا ہے،

ازان بہ دردِ دگر ہر زمان گرفتارم　　کہ شیوہ ہاے تُرا باہم آشنائی نیست

یعنی اس لیے ہر وقت مین ایک نئی مصیبت مین گرفتار رہتا ہون کہ تیری ادائین ایک دوسرے سے نہین ملتین،

شفائی نے اس مضمون کو زیادہ صاف اور واضح کر دیا ہے، لیکن وہ ابہام کا مزہ جاتا رہا وہ کہتا ہے،

این جور دیگرست کہ آزار عاشقان　　چندان نمی کند کہ بہ بیداد خو کنند

معشوق جب بلند پایہ ہوتا ہے اور وہان تک رسائی ناممکن ہوتی ہو تو عاشق اپنی پستی حالت کا اندازہ کرتا ہے اور اُس وقت یہ رنج کم ہو جاتا ہو کہ دیدار سے بہرہ ور نہین ہو سکتا، عرفی اس حالت کو حسرت کے لہجہ مین دکھاتا ہے،

آہ ازان حوصلۂ تنگ و ازان حُسن بلند　　کہ دلم را گلہ از حسرتِ دیدار تو نیست

نہ باندازہ بازو ست کمندم ہیہات ‌ ‌ ‌ ‌ درنہ باگوشۂ بامیم سروکارے ہست

معشوق کی عام دلفریبی کو یون ظاہر کرتا ہے،

یارب تونگہ دار دلِ خلوتیان را ‌ ‌ ‌ ‌ کان مغبچہ مست ست ودرِ صومعہ بازست

ناز کی بے اعتنائی کا مضمون کس خوبی سے پیدا کیا ہے،

طغیانِ ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل ‌ ‌ ‌ ‌ درزیر تیغ رفت وشہیدش نمی کنند

یعنے حضرت اسمٰعیل

بیگانون کے ساتھ معشوق کی صحبت بدمزہ ہے،

میروی باغیر ومی گوئی بیا عرفی توہم ‌ ‌ ‌ ‌ لطف فرمودی برو کین پای رازفتارنیست

یعنی غیرون کے ساتھ جاتے ہو اور کہتے ہو کہ عرفی تو بھی آ، آپ کی عنایت لیکن مجھ سے چلا نہین جاتا۔

عشق مین عقل اور سمجھ سے کام لینا نہین چاہیے۔

گفتگو ہاے حکیمانہ نیا لاید عشق ‌ ‌ ‌ ‌ بگذارید کہ این نکتہ مُسلم باشد

حُسن کی رونق عشق سے ہے اور عشق کی حُسن سے،

این صفا عشق ومحبت زہم اندوختہ اند ‌ ‌ ‌ ‌ این دو شمعے ست کہ ازیکدگر افروختہ اند

تھوڑا سا غم، دل کی عالی ظرفی کے قابل نہین اور زیادہ سما نہین سکتا،

فریاد کہ غم ہاے تو در سینۂ تنگم ‌ ‌ ‌ ‌ اندک نبود لائق وبسیار نہ گنجد

اب ہم عرفی کے ہر قسم کے چند عشقیہ اشعار درج کرتے ہین،

وہ، کہ از دو ختن این چاک گریبان رفتہ است ‌ ‌ ‌ ‌ این شگافے ست کہ تا دامن ایمان رفتہ است

رفت آن آفت جان از برم اے ہوش بیا — تا ببینم کہ چہا بر سر ایمان رفتہ است

یعنی وہ آفت جان چلا گیا، ای ہوش اب آ تاکہ دیکھون کہ ایمان پر کیا گذری،

عرفی از ہر دو جہان می مدد ار دوست — ہمہ جا وحشی ازان ست کہ رم ست اینجا

بحث در رد و قبول بت ترسا بچہ ست — ورنہ از کفر زبونی نبود ایمان را

یعنی ایمان کفر سے کم رتبہ نہین لیکن گفتگو یہ ہے کہ کافر بچہ اسکو قبول بھی کریگا یا نہین

ز وصلش یافتم ذوقے کہ نبود انتقام آن را — کسے ہرگز چنین داغے بدل ننہادہ ہجران را

یعنی اُسکے وصل مین مین نے وہ مزہ پایا کہ اسکا کچھ جواب نہین ہو سکتا، کسی شخص نے ہجر کو اسطرح نہ جلایا ہوگا جسطرح مین نے جلایا ہے،

قبول خاطر معشوق شرط دیدار ست — بحکم شوق تماشا مکن کہ بی ادبی ست

یعنی معشوق جس حد تک پسند کرے اُسی حد تک نظارہ کرنا چاہیے، اپنے شوق کے موافق نظارہ بازی کرنا بے ادبی مین داخل ہے،

عرفی! بحال نزع رسیدی و بہ شدی — شرمت نیامد از دل امیدوار دوست

بہانہ جوی تو، عرفی! ابناز عادت کرد — باشتی مرو اکنون کہ صلح ہم جنگ ست

یعنی معشوق

ز شکوہ ہاے جفایت، دو کون پر شد لیک — ہنوز رنگ ادب بر رخ سخن باقی ست

یعنی با وجود انتہاے شکایت کے پاس ادب نہین گیا

حسنش نیاز مند تماشا ز ناز نیست — اما ز ذوق جلوہ خود بے نیاز نیست

دو عالم سوختن نیرنگ عشق ست — شہادت ابتداے جنگ عشق ست

دماغ آشفتہ داریم دل نام · کہ سرتاپای صلح و جنگ عشق ست

آن چنان مست جمال ست کہ شب تا بسحر · می کشد جام و ز کیفیت مے آگہ نیست

بروای عقل منہ منطق و حکمت در پیش · کہ مرا نسخۂ غمہای فلان در پیش ست

پان رہ عشق ست کج رفتن ندارد بازگشت · جرم را اینجا عقوبت ہست استغفار نیست

تا فریدا لبهان را از متاع روی دست · آسمان پیش از تو یوسف را ببازار آورد

ز بت نہ گوشۂ چشمے نہ چین ابروئے · بحیرتم کہ دل برہمن زکف چون شد

چو برد پیام، قاصد کنم این خیال دگریم · کہ برش حکایت من بکجا رسیدہ باشد

تا چند بزنجیر خرد بند توان بود · بے مستی و آشوب جنون چند توان بود

اے اجل! جان ندہند اہل وفا سعی مکن · یا برو، رخصت از ان غمزۂ خونخوار بیار

ای آنکہ نرفت ست عنان دلت از دست · یک لحظہ تماشائی آن دست و عنان باش

بشکنم ناقوس و تسبیحے بدست آرم ولی · چون کنم با آن کہ زنار از میان می بدیدم

میروی با غیر و می گوئی بیا عرفی تو ہم · لطف فرمودی برو کین پای از رفتار نیست

بیا ای عشق! رسوای جہانم کن کہ یک چندے · نصیحت ہای بیدردان شنیدن آرزو دارم

داغ برہم بس کہ پیوستم نشان از دل نماند · پیش ازین صد داغ بر دل داشتم اکنون یکی ست

عالمے در جلوہ و عاشق نہ بیند غیر دوست · گر ز مجنون پرسی ہر کاروان محمل یکی ست

(فلسفہ) عرفی نے غزل میں جس قدر فلسفیانہ خیالات ادا کیے کسی شاعر نے ادا نہیں کیے،

اس کے ساتھ یہ خصوصیت ہی کہ شاعرانہ طرز ادا ہاتھ سے نہین جاتا، سحابی، ناصر خسرو وغیرہ نے بھی دقیق فلسفی مسائل بیان کیے ہین، لیکن وہ محض فلسفہ ہی جو نظم مین ادا کر دیا گیا ہے، شاعری نہین، بخلاف اسکے عرفی اس انداز سے ان باتونکو ادا کرتا ہی کہ اگر کوئی شخص فلسفہ کی حیثیت سے اُس سے لطف نہ اُٹھائے، تاہم شاعرانہ ذوق سے محروم نرہے گا مثالون سے اسکا اندازہ ہوسکے گا،

یہ سب کہتے آئے ہین کہ حقائق اشیاء ہکو معلوم نہین، سقراط نے کہا تھا کہ "مجھکو صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ کچھ معلوم نہین ہوا" بعینہ اسی خیال کو، فارابی، ابن سینا وغیرہ نے اشعار مین ادا کیا، لیکن عرفی نے اس فلسفہ کا ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، وہ کہتا ہے،

حدِ کُنہِ تو بہ ادراک نشاید دانست
وین سخن نیز باندازۂ ادراکِ من ست

خدا کی ذات اور صفات کی جو تفسیر تمام اہل مذاہب نے کی ہی خوب غور کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے اُنھین حالات، اُنھین اوصاف، اُنھین اخلاق کو جو اُسنے انسانون مین دیکھے ہین، زیادہ وسیع، زیادہ پاک، زیادہ بلند فرض کرکے ایک ذات کا تصور باندھ لیا ہی اور یہی وجہ ہی کہ ہر قوم مین خدا کے اوصاف کی نسبت مختلف خیال ہین، اس بنا پر عرفی کہتا ہی،

فقیہان دفترے را می پرستند
حرم جویان درے را می پرستند

برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاران دیگرے را می پرستند

یعنی خدا اگر اپنے چہرے سے پردہ اُٹھا دے تو لوگون کو نظر آئے گا کہ ہم خدا کو نہین،

بلکہ کسی اور چیز کو پوج رہے تھے، اسی مضمون کو ایک اور لطیف طریقہ سے ادا کیا ہے،

آنان کہ وصف حُسن تو تفسیر میکنند　　خواب ندیدہ راہمہ تعبیر می کنند

حقائق اشیاء یا عقائد مذہبی، کی نسبت یا تو انسان کو نہایت اعلیٰ درجہ کا فلسفی ہونا چاہیے کہ تمام راز اُسپر منکشف ہوگئے ہون، یا محض تقلید پر عمل کرنا چاہیے، بیچ کی جو حالت ہے یعنی نہ تقلید، نہ اجتہاد کامل، یہ نہایت خطرہ کی حالت ہے، اور افسوس ہے کہ تمام عالم اسی مین مبتلا ہے، عرفی کو تین سو برس پہلے یہ نکتہ معلوم ہو چکا تھا، چنانچہ کہتا ہے،

قدم برون منہ از جہل یا فلاطون شو　　کہ گرمیانہ گزینی سراب و تشنہ لبی ست

یعنی یا تو بالکل جاہل رہو یا فلاطون بنو، ورنہ بیچ مین رہوگے تو سراب و تشنہ لب کا حال ہوگا،

عرفی اپنی وسیع المشربی سے عرفان اور زہد کو اسلام یا کفر مین محدود نہیں سمجھتا اس کے نزدیک ہر جگہ حقیقت کا پرتو نظر آتا ہے اس خیال کو اور لوگون نے بھی ادا کیا تھا، لیکن عرفی نے ایک عجیب تشبیہ سے اسکو صاف دکھا دیا،

عارف، ہم از اسلام خراب ست و ہم از کفر　　پروانہ چراغ حرم و دیر نداند

یہ ظاہر ہے کہ پروانہ صرف چراغ ڈھونڈھتا ہے، وہ خواہ حرم مین جلتا ہو یا بتخانہ مین، بُت شکنی پر لوگ ناز کرتے ہین لیکن ایک عارف کو نظر آتا ہے کہ بت شکنون مین بھی وہی تمام اخلاق موجود ہین، جو بت پرستون مین پائے جاتے ہین، اسلیے ایسی بت شکنی سے کیا فائدہ اس بنا پر عرفی کہتا ہے،

رفتم بہ بت شکستن و ہنگام بازگشت — بابرہمن گذاشتم از ننگ دین خویش

یعنی بُت توڑنے تو گیا تھا، لیکن جب واپس چلا تو اپنا دین برہمن ہی کے یہان چھوڑ آیا،

عام مسلمان جس طرح کعبہ کے ساتھ پیش آتے ہین اُس مین اور بُت پرستی مین مشکل سے فرق کیا جا سکتا ہے اس بنا پر **فیضی** نے کہا تھا،

آن کہ می کرد مرا منع پرستیدن بُت — در حرم رفتہ، طواف درو دیوار چہ کرد

عرفی اس مضمون کو زیادہ لطیف پیرایہ مین ادا کرتا ہے

ساکنِ کعبہ کجا دولتِ دیدار کجا — این قدر ہست کہ در سایۂ دیوارے ہست

عالم مین جو کچھ نظر آتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو سب راز ہے،

ہر کس نشناسندہ راز ست، وگرنہ — این ہا ہمہ راز ست کہ مفہوم عوام ست

چو دل شناخت سر رشتہ، گشت معلومش — کہ دم بدم بکف آوردۂ دریا کردست

انسان عالم اکبر ہے،

از کتابے کہ منش خاتمہ ام — لوح محفوظ، نخستین ورق ست

سالک کو طلب چاہیے، تقاضا نہین،

زبان بہ بند و نظر باز کن کہ منع کلیم — کنایت از ادب آموزی تقاضائیست

یعنی آنکھین کھولو، اور زبان بند کرو کیونکہ کلیم کو جو منع کیا تھا تو یہ بتانا تھا کہ ادب ملحوظ رکھنا چاہیے

حصول معرفت کے لیے وہم اور شکوک کی جولانیان مفید نہین، بلکہ سکون اور صبر درکار ہے

چندان کہ دست و پا زدم آشفتہ تر شدم — ساکن شدم میانۂ دریا کنارہ شد

تہ رسی اور غور کی ترغیب،

خمیر مایۂ آسایش ست لای شراب   بگو کہ صاف کشان جرعۂ ز تہ گیرند

بھٹ
لوگ نیک و بدمین تمیز نہین کرسکتے،

چہ ظلمت ست، کہ بینندگان نمی دانند   کہ شب چراغ ستانند یا شبہہ گیرند
پوتھ

کسی قوم کی ترقی کے یہ معنی ہین کہ دوسری قوم نے تنزل کیا ہی،

زمانہ گلشنِ عیشِ کرا؟ بہ یغما داد   کہ گُل بدامنِ ما دستہ دستہ می آید

چونکہ مذہب کا مقصد زیادہ تر جمہور عام کی ہدایت کرنا ہوتا ہی، اسلیے مذہبی دلائل اکثر فلسفیانہ نہین ہوتے، بلکہ خطابیات اور عام فہم ہوتے ہین، جن لوگونکی فطرت مین خدانے مذہبی میلان رکھا ہی انکو انہین دلائل سے تشفی ہوجاتی ہے، لیکن جنکو مذہب کا درد نہین انکو فوراً نظر آجاتا ہی کہ یہ دلائل قطعی نہین، بلکہ عام پسند ہین اس بنا پران لوگونکو ناز ہوتا ہے کہ ہم کسقدر حقیقت شناس ہین، عرفی کہتا ہی کہ یہ نازکی بات نہین بلکہ مذہبی بیدردی کی دلیل ہی، اسکو یون ادا کرتا ہے

زنقصِ تشنہ لبی دان، بعقل خویش مناز   دلت فریب گراز جلوۂ سراب نہ خورد

سراب اُس ریتے کو کہتے ہین جو دور سے پانی کی طرح نظر آتا ہی، شعر کا مطلب یہ ہی، کہ فرض کرو تمھارا گذر سراب پر ہوا، اور تم نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ سراب ہی پانی نہین، تو تم اپنی عقل پر ناز نکرو، بلکہ یہ سمجھو کہ تم پیاسے نہ تھے، ورنہ اگر پیاس کا غلبہ ہوتا تو قطعاً سراب پانی نظر آتا، سراب کی تشبیہ شاعر نے علی سبیل التنزل دی ہی، ورنہ یہ ظاہر ہی کہ مذہبی دلائل سراب نہین ہوتے،

عام لوگ سمجھ نہین رکھتے ورنہ عرفا کنایون مین سب کچھ کہہ جاتے ہین،

مگو کہ نکتہ سرایان عشق خاموش اند　　کہ حرف نازک اصحاب پنبہ در گوش اند

کفر اور دین، دونون اپنی گرم بازاری کے لیے لوگون کو لڑواتے ہین،

کفر و دین را ببر از یاد کہ این فتنہ گران　　در بدآموزی ما مصلحت اندیش ہم اند

تعلق، ہر قسم کا حجاب پیدا کرتا ہے،

گر تعلق نیست اسباب جہان مردود باش　　صد ہزاران پردہ پیش چہرہ دحائل یکی ست

اخلاق عرفی نے اخلاق کے اکثر مسائل بیان کیے ہین، لیکن وہ صرف اُن اخلاقی اوصاف کو لیتا ہے جو عزت نفس اور علو حوصلہ سے تعلق رکھتے ہین، یہان تک کہ اگر یہ اوصاف غرور و نخوت کی حد تک بھی پہونچ جائین تو اس کے نزدیک اُن اوصاف سے بہتر ہین جن کی سرحد پست ہمتی سے ملجاتی ہے۔ مثلاً تواضع، انکسار، فروتنی، توکل، قناعت وغیرہ وغیرہ، اس بنا پر کہتا ہے،

کفرانِ نعمتِ گلہ مندانِ بے ادب　　در کیش من ناشکرِ گدایانہ بہتر ست

وہ اعمال نیک کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اس لیے نہین کہ دوزخ سے بچنے کا ذریعہ ہین، بلکہ اسلیے کہ گناہگار نادم ہوتا ہے، اور بسا اوقات ندامت نجات کا باعث ہوجاتی ہے، اس لیے وہ مفت خواری کی نجات کو، عالی حوصلگی کے خلاف سمجھتا ہے،

بضاعتے بکف آور کہ ترسمت، فردا　　بنجوے فشانی پیشانی حیا بخشند

یعنی عمل کا سرمایہ جمع کرو، ایسا نہو کہ تم کو قیامت مین اسلیے بخشدین کہ تمھاری پیشانی سے

ندامت کا پسینہ ٹپکا تھا،

اس سے زیادہ صاف اور واضح کہتا ہے،

گرفتم آن کہ بہشتم دہند بے طاعت — قبول کردن و رفتن نہ شرطِ انصاف ست

یعنی یہ مان لیا کہ مجھ کو بہشت بغیر عمل کے مل جائے گی، لیکن اسکو قبول کرنا انصاف کے خلاف ہے،

وہ عالی حوصلگی کا یہ نمونہ پیش کرتا ہے کہ مخالف، گو ہماری غلطی کو صحیح سمجھ لے، تاہم ہمکو مطمئن نہین ہونا چاہیئے،

رستم ز مدعی بقبول غلط دے — در تابم از شکنجۂ طبع سلیم خویش

وہ یہ سکھلاتا ہے کہ گفتگو اور مباحثہ کی معرکہ آرائیون مین فتح حاصل کرو، لیکن اس طرح کہ فریق مقابل کا دل نہ دکھنے پائے،

زخمہا برداشتیم و فتح ہا کردیم لیک — ہرگز از خون کسے رنگین نشد دامان ما

وہ تجرد، صحرا نوردی، ترک لباس کو ریا کا شائبہ بتاتا ہے،

مرو بہ بادیہ گردی کہ زرق و شیدی ست — بہ ہنگی مطلب، کان لباس رعنائی ست

وہ سکھاتا ہے کہ اپنے آپ کو عزیز الوجود نہ سمجھو، دنیا کا کارخانہ تم پر بند نہین،

گمان مبر کہ تو چون بگذری جہان بگذشت — ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست

وہ بتاتا ہے کہ اگر اپنا عیب دیکھنا چاہو تو اپنے آپکو خود اپنا دشمن اور منافق دشمن بنا کر دیکھو

خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا — یک دم، منافقانہ نشین در کمین خویش

منافق اُسکو کہتے ہین جسکے دل مین مخالفت ہو اور زبان سے دوستی کا اظہار کرتا ہو، شعر کا مطلب یہ ہو کہ اگر اپنے عیب سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اُسکی ترکیب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ایک الگ شخص فرض کر و اور اُس سے بظاہر دوستی کا اظہار کرو، چونکہ انسان اپنے دوست سے کسی بات کا پردہ نہین رکھتا اسلیے وہ شخص اپنے تمام راز تمھارے سامنے کھول کر رکھدے گا اس طرح تمام عیب ظاہر ہوجائین گے،

وہ کہتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کے روحانی اخلاق ایک کافر کے اخلاق سے بالاتر نہین، تو اُسکے اسلام کو کفر پر کوئی ترجیح نہین،

رفتم بہ بت شکستن و ہنگام باز گشت با برہمن گذاشتم از شرم دینِ خویش

اسنے نہایت عمدہ تشبیہ سے اس بات کو علانیہ دکھایا کہ جو لوگ خود آلودہ ہین اُنکی نصیحت کچھ اثر نہین کرسکتی،

وعظِ من گرد فشانندۂ عصیان نشود آستین شکر آلودہ مگس ران نشود

وہ کہتا ہے کہ ریاکاری اس قدر عام ہو گئی ہو کہ کھلے ڈلے رندون پر بھی اعتماد نہین رہا،

از صدق اہل بت کدہ ہم اعتماد رفت از بس کہ اہل صومعہ تزویر می کنند

زاہد اور برہمن مین اسکے نزدیک جو فرق ہو یہ ہے،

کافر تر ست زاہد از برہمن، ولیکن او را بت ست در بر، در آستین ندارد

یعنی زاہد برہمن سے بھی زیادہ کافر ہو، فرق یہ ہو کہ زاہد کے ہاتھ مین بت نہین ہے بلکہ بغل مین ہے،

آزادی اور خود مختاری کا وہ اس قدر شیفتہ ہی کہ اگر کوئی شخص نام کو بھی آزاد ہو تو اُس کے نزدیک رشک کے قابل ہی،

حسدِ تہمت آزادی سرو م بگداخت　　کین مرادے ست کہ بر تہمتِ آن ہم حسدست

سرو کو شعرا، آزاد باندھتے ہین، عرفی کہتا ہی کہ گو یہ تہمت ہی لیکن مین اسپر بھی رشک کرتا ہون، کیونکہ آزادی وہ نعمت ہی کہ جھوٹون بھی کوئی شخص آزاد کہلائے تو رشک کے قابل ہے،

وہ سکھلاتا ہے کہ اصلی لذت اور آرام، روحانی لذت اور آرام ہی، اور یہ حاصل ہو تو ظاہری تکلیفات سے مطلقاً متاثر ہونا نہین چاہیے،

معشوق در میانۂ جان مدعی کجاست　　گل از دماغ می دمد آسیب خار چیست

وہ ہر بات مین میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے، اور اس مضمون کو اس لطیف پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

مرا دو خضر عنان گیر باید از چپ و راست　　کہ کج روی نہ کنم ورنہ عزم راہِ خطاست

امامِ شہر ز سر جوشِ خم نہ پرہیزد　　نزاع بر سرِ تہ شیشہ ہای ناصاف ست

یعنی مال حرام، اگر بھرپور ملے تو امام شہر کو دریغ نہو، یہ جو انکار ہی اس لحاظ سے ہے کہ اُس کی مقدار تھوڑی ہے،

علو نفس، بلند ہمتی، اور حوصلہ مندی کے خیالات، جو عموماً شاعری مین نہایت کم ملتے ہین، عرفی نے کثرت سے ادا کیے، چونکہ خود نہایت غیور اور عالی حوصلہ تہا، اسلیے وہ عادات

اور اخلاق جو بظاہر علو نفس کے خلاف نہ تھے، لیکن دراصل ان کی بنیاد و نارت پر تھی، اُن کی تہ تک اُسکی نگاہ پہونچتی تھی، مثلاً تمام ایشیا مین حاتم کی فیاضی و سخاوت کے چرچے پھیلے ہوئے ہین، اور تمام لوگ اُس کی فیاضی کے افسانون کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہین، یہ امر بظاہر کوئی بُری بات نہین بلکہ سچی قدردانی کی دلیل ہی، لیکن حقیقت یہ ہی کہ چونکہ ایشیا مین اکثر مُفت خواری کا طریقہ جاری رہا، یعنی لوگ سلاطین و امرا سے مفت کے صلے اور انعامات حاصل کرتے تھے، اسلیے اس قسم کی فیاضیون کی نہایت مدح سرائی کرتے تھے،

عرفی نے دیکھا کہ اس قدردانی کی تہ مین اس مُفت خواری کا اثر ہی اس لیے کہتا ہی،

بیا بہ ملک قناعت کہ درد سر نہ کشی — زقصہ ہا کہ بہت فروش سطے بستند

یعنی اگر قناعت اختیار کر لو تو تم کو ان کہانیون مین کچھ مزہ نہ آئے گا جو حاتم طائی کیطرف منسوب ہین،

اس سے زیادہ صاف کہتا ہے،

کفرانِ نعمتِ گلہ مندان بے ادب — درکیش من زشکر گدایانہ بہتر ست

یعنی مین کفران نعمت کو بھی گدایانہ شکر گزاری سے زیادہ پسند کرتا ہون،

زمانہ کے ہاتھ سے مجبور ہو کر معمولی چیز کی خواہش کرتا ہی، اسپر خود اسکو افسوس آتا ہی اور کہتا ہی،

کشادم دام بر گنجشک و شادم یاد آن ہمت — کہ گر سیمرغ می آمد بدام آزادمی کردم

یعنی اب تو مین گنجشک پر جال ڈالتا ہون اور اسی پر راضی ہون، لیکن ایک وہ بھی وقت تھا کہ سیمرغ جال مین پھنسا ہی اور مین نے چھوڑ دیا ہی،

بساطی کاندر و طرح دو عالم می توان کردن | بدست آوردہ ام اندازۂ و پرکار می باید

گرفتم آن کہ بہشتم دہند بے طاعت | قبول کردن و رفتن نہ شرط انصاف ست

وقتِ عرفی خوش کہ نکشودند اگر در بر رخش | بر درِ نکشودہ ساکن شد درِ دیگر نہ زد

عاشقانہ جذبات اور خیالات مین بھی اس کی عالی حوصلگی نہین جاتی،

من ازین درد گرانبار چہ لذت یابم | کہ بہ اندازۂ آن صبر وثباتم دادند

یعنی اس غم سے مجکو کیا لذت ملسکتی ہو جبکہ اسکی برابر مجکو صبر و استقلال بھی عنایت ہوا ہے تذکرۂ سرخوش مین لکھا ہو کہ "ناصر علی اس شعر کو زیادہ پسند کرتا تھا"، اگر یہ صحیح ہو تو ناصر علی کی اس بدمذاقی کا کفارہ ہو گیا جو اُسنے نظامی اور ظہوری کے موازنہ مین ظاہر کی تھی؛

بادہ خواہی باش تا از خون دل بیرون دہم | این کہ در جام و سبو دارم مہیا آتش ست

ہم سمندر[۱] باش و ہم ماہی کہ در جیحون عشق | روی دریا سلسبیل و قعر دریا آتش ست

عشق اگر مردست مردے تاب دیدار آورد | ورنہ چون موسی بسے آورد بسیار آورد

مدہ عنان تعلق بجز ہر ذرّہ | بر آر دستی و بر دوش آفتاب انداز

نہ بزم آسمان و یکے ذرہ در سماع | وان ہم بکام دل نفشاند آستینِ خویش

یعنی آسمان کی نو مجلسون مین ایک ذرہ (انسان) وجد کر رہا تھا، لیکن اُن مجلسونکی مجموعی فضا مین بھی یہ وسعت نہ تھی کہ وہ ذرہ ہاتھ پھیلا کر ناچ سکتا،

---

۱ عوام کے اعتقاد مین ایک کیڑا ہے جو آگ مین پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی مین زندہ رہتا ہے،

نظیری نیشاپوری

محمد حسین نام، نظیری تخلص، اور نیشاپور وطن تھا، شاعری کا ابتدا سے شوق تھا اور ابتدائے مشق ہی سے شہرت ہو چلی تھی، خراسان مین جب اسکی شاعری مسلم ہو چکی تو کاشان مین آیا، یہان حاتم، فہمی، مقصود خردہ، شجاع، رضائی، شاعری مین اُستاد تسلیم کیے جاتے تھے، اُنکے مشاعرون مین جو طرحین ہوتی تھین، نظیری بھی اُن مین طبع آزمائی کرتا تھا، اسی اثنا مین ایک قدیم غزل طرح ہوئی، جاے تو باشد، ایماے تو باشد، نظیری نے غزل لکھی،

فلک مزدور ایماے تو باشد نوازد ہر کرا راے تو باشد

"جاے" کا قافیہ، اُستادون کی غزل مین اس پہلو سے بندھ چکا تھا کہ اسکا جواب نہین ہوسکتا تھا، مثلاً

دو عالم را بیک بار از دلِ تنگ برون کردیم تا جاے تو باشد

نظیری نے اس پامال قافیہ کو بالکل نئے پہلو سے باندھا،[1]

نیاز ارم ز خود ہر گز دلے را کہ می ترسم درو جاے تو باشد

اسی قافیہ مین ایک اور اُستاد کا شعر یاد آیا،

---

[1] شعرائے مذکور کا مشاعرہ اور غزل کا یہ شعر مآثر رحیمی مین نقل کیا ہے،

جہانے مختصر خواہم کہ در وے   ہمین جاے من وجاے ترباشد

اس زمانہ مین عبدالرحیم خانخانان کی فیاضیون کا شہرہ دور دور پھیل چکا تھا نظیری نے اسکے دربار کا قصد کیا، اور آگرہ مین خانخانان سے ملا، چنانچہ جو قصیدہ اس موقع پر لکھا اور جو دیوان مین موجود ہی، اُس کا عنوان یہ لکھا ہی،

این قصیدہ در مدح صاحب عظیم ابوالفتح بہادر عبدالرحیم خانخانان بن بیرم خان ہنگامیکہ بایلغار از گجرات بدار السلطنت آگرہ آمدہ بودند و اول مداحی و ملازمت این جا کردہ بود گفتہ شد،

غالبًا یہ ۹۹۲ھ ہجری ہوگا کیونکہ اسی سنہ مین خانخانان گجرات سے آگرہ گیا ہی، اور مظفر گجراتی کے شکست دینے کے صلہ مین، اسکو خانخانان کا خطاب ملا ہی،

غالبًا خانخانان ہی کی تقریب کرنے سے اکبر کے دربار تک رسائی ہوئی، اول اول جب وہ دربار مین پہونچا ہی تو جہانگیر کے بیٹے پیدا ہونے کا جشن تھا، نظیری نے جو قصیدہ اس موقع پر پیش کیا ہی، اسکے عنوان مین صرف اسی قدر لکھا ہی نام کی تصریح نہین کی، قرائن سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ خسرو کی ولادت کا جشن ہوگا جو ۹۹۶ھ ہجری مین پیدا ہوا تھا، اس قصیدہ سے ثابت ہوتا ہی کہ نظیری کے بہت سے حاسد پیدا ہوگئے تھے جو اُس کی رسائی مین خلل انداز ہوتے تھے چنانچہ خاتمہ مین کہتا ہے،

جماعتے ز سفیہانِ تیرہ طبع دنی   مدام در پیش افتادہ اند ہیچو وبال
ز بے تمیزی این ناقدان کم مایہ   گہر بقدر خزف گشتہ زر بسرخ سفال

سزد کہ اخترِ نظم مرا بیک ساعت   توجہ تو برون آرد از ہبوط و بال

اکبر کی مدح مین اسنے وقتاً فوقتاً اور بھی قصیدے لکھے، اور غالباً مقبول بھی ہوئے لیکن دربار مین اسکو کوئی خاص امتیاز نہین حاصل ہوا، اسلیے اسنے اپنا مستقل تعلق خانخانان کے دربار سے قائم رکھا اور احمد آباد گجرات مین سکونت اختیار کی، چند برس کے بعد حج کا ارادہ کیا اور اس تقریب مین ایک قصیدہ لکھکر خانخانان کی خدمت مین پیش کیا جسکا مطلع یہ ہے،

ز ہنر بخود نگنجم چو بہ خم مے مُعانی   بدرد لباس بر تن چو بجوشدم معانی

اسمین شاعرانہ طریقہ سے مصارف سفر کی درخواست کی،

ہمہ عیش این جہانی بعنایتِ تو دیدم   چہ عجب اگر بیابم ز تو زاد آنجہانی

خانخانان نے سفر کا سامان کر دیا، چنانچہ سورت سے جہاز پر سوار ہو کر مکہ معظمہ کو روانہ[1] ہوا، راستہ مین بدوؤن نے لوٹ لیا تاہم اسنے حج اور زیارت دونون حاصل کی،

ماثر رحیمی مین نظیری کا سفر سنہ ۱۰۱۲ ہجری مین لکھا ہی لیکن یہ سخت تعجب کی بات ہی نظیری کے دیوان مین ایک قصیدہ سلطان مراد (ابن اکبر شاہ) کی مدح مین ہی، اسکے عنوان مین خود نظیری لکھتا ہے،

این قصیدہ نیز بعد از معاودت مکہ معظمہ بہ احمد آباد گجرات در مدح شاہزادہ ہمایون نژاد شاہ مراد گفتہ شد،

یہ مسلم ہی کہ مراد سنہ ۱۰۰۷ ہجری مین مرا ہی اس لیے نظیری کا سفر حج سنہ ۱۰۱۲ ہجری مین محال ہی

۱ ماثر رحیمی،

زیادہ تعجب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مآثر رحیمی کا مصنف نظیری کا ہمعصر اور اُس کا خواجہ تاش ہے، قیاس یہ ہے کہ نظیری نے سنہ ۱۰۰۲ ہجری مین حج کیا ہے، علاوہ اور قرائن کے ایک قرینہ یہ ہے کہ خان اعظم میرزا کوکہ (اکبر کا رضاعی بھائی) نے اسی سال مین حج کا سفر کیا تھا، اور نظیری کے دیوان مین ایک قصیدہ خان اعظم کی مدح مین ہے جسکا عنوان یہ ہے،

این قصیدہ در راہ مکہ مکرمہ بعد از غارتِ سارقان وحرامیان مُدّین بمدح نواب محمد عزیز اعظم خان منظوم شد،

اس قصیدہ مین اپنی حالت بیان کرکے درخواست کی ہے کہ میری زاد راہ کا سامان کردیا جائے،

بہ گوشۂ نظر التفات، محتاجم — بزاریِ کہ توان کشتنم بہ نیم نگاہ
ز بے بضاعتی خود چنان ہراسانم — کہ بہرِ توشۂ رہ باز گردم از درگاہ
بسیل مرحمت از خاکِ ذلتم بردار — کہ ہمچو غلبۂ عطشان فتادہ ام براہ

حج سے واپس آکر اسنے مراد کے دربار مین رسائی حاصل کی، اکبر نے شہزادہ مراد کو دکن کی مہم پر بھیجا تھا، وہ ان اطراف مین فوجین لیے ہوئے پڑا تھا **نظیری** چلتا پھرتا اس طرف جا نکلا، دربار مین جانا چاہتا تھا کہ راہ مین ایک قدردان سخن کی نظر پڑ گئی، اسنے بڑھ کر کہا کہ خوب موقع پر آئے، نوروز کا جشن ہے، قصیدہ لکھ کر پیش کیجیے، خود جا کر شاہزادہ سے تقریب کی، چوبدار آکر بلا گیا، دربار مین سجدہ بجالانے کا دستور تھا، لیکن دربار کی شان وشوکت دیکھ کر نظیری کے حواس جاتے رہے، اس لیے آداب اور آئین سب بھول گیا

نقیبون نے باز پرس کی تو جواب دیا کہ مین نے آجتک یہ شان و شوکت نہین دیکھی تھی، اسلیے حواس ٹھکانے نہ رہے، یہ تمام واقعات، نظیری نے خود قصیدۂ مدحیہ مین لکھے ہین، موقع کے خاص خاص اشعار ہم نقل کرتے ہین،

دران بساط کہ برخود مرا شعور نبود	ز دور دیدۂ دانا دلے بمن افتاد
بمہر گفت کہ ای زیب بخش مجمع انس	بیا بیا کہ بوقت آمدی مبارکباد
بساط مجلس و آئین جشن فردوسیت	تو نیز جلوۂ آئین نظم خواہی داد
ہمین دو دیدہ بگفت و ہنوز پیدا بود	کہ شد غریو کزین قطرہ کرد دریا یاد
چنان بپایۂ دولت شدم شتابزدہ	کہ چند بار سرم در مقام پا افتاد
زبس کہ تیز بہ آن بارگاہ در رفتم	ادب ز پایۂ خود پای برفراز نہاد
ز دلفریبی آئین و فر سلطانی	بگاہ تہنیتم، رسم سجدہ رفت از یاد
چو خوب رسم ادب را بجا نیاوردم	ندا رسید کہ اے روستائے مادرزاد
بساط عرش و تکبر، ترا چہ پیش آمد	حریم کعبہ و غفلت، ترا چہ حال افتاد
جواب دادم و گفتم بجرم معذورم	کہ تا منم بچنین دولتے نگشتم شاد

سنہ ۱۰۱۴ ہجری مین اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت پر بیٹھا، وہ نہایت سخن شناس اور صاحب ذوق تھا، نظیری کا شہرہ سنکر دربار مین طلب کیا، چنانچہ ۵ سنہ تخت نشینی مطابق ۱۰۱۹ سنہ ہجری مین نظیری، دربار مین حاضر ہوا اور انوری کے قصیدہ پر قصیدہ لکھکر پیش کیا، جہانگیر خود تزک مین اس واقعہ کو لکھتا ہے:

نظیری نیشاپوری کہ در فن شعر و شاعری از مردم قرار دادہ بود و در گجرات بعنوان تجارت بسر می برد قبل ازین طلبیدہ بودم درین ولا آمدہ ملازمت کرد قصیدۂ انوری را کہ

ع، باز این چہ جوانی و جمال ست جہان را،

تتبع نمودہ قصیدہ بجہت من گفتہ بود گذرانید، ہزار روپیہ و اسپ خلعت بصلہ این قصیدہ بدو مرحمت نمودم،

نظیری نے قصیدہ مین دربار کی رسائی کی پوری تفصیل لکھی ہے،

ناگاہ در آمد ز درم بانگ کہ گویند ... فرمانِ طلب آمدہ از شاہ فلان را

بے کفش و عمامہ بدر از خانہ دویدم ... نے کردہ قبا در بر و نی بستہ میان را

تا حاکم دیوان و بلد بُرد رسولم ... دیدم ہمہ جا مژدہ دہان مژدہ سان را

اصحابِ چنان مصحف از اصحاب ستانند ... بگرفتم از احباب بہ تعظیم نشان را

یعنی جس طرح لوگ قرآن تعظیم سے لیتے ہین، اسی طرح مین نے بادشاہ کا خط تعظیم سے ہاتھون لیا

بوسیدم و بر فرق بہ تسلیم نہادم ... بگشادم و بر ناصیہ سودم رخ آن را

می دیدم و می سودم ازان سرمہ نظر را ... برخواندم و لیسیدم ازان شہد زبان را

فی الحال دویدم ز پے مرکب و سامان ... کردم ز ہمہ روی وداع اہل مکان را

امروز سہ ماہ است کہ پویان سر اغم ... گلشن بہ دماغ و بہ بغل حاصل کان را

چون بحر تو در جزر و مد شیر شکاری ... چون گنج روان من بطلب گنج روان را

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے فرمان طلبی کے بعد تین مہینے نظیری کو دوڑ دھوپ مین گذرے، جس کی وجہ یہ تھی کہ جہانگیر شکار مین مصروف تھا،

یہ وہ زمانہ ہی جب نظیری تارک الدنیا ہو چکا تھا، لیکن غلامی اور طماعی کی جو عادت راسخ ہو چکی تھی اسکا اقتضا یہ تھا کہ تین مہینے تک خاک چھانتا پھرا، اور شاہی فرمان کو قرآن سے تشبیہ دی،

جہانگیر نے ایک دفعہ اس سے ایک عمارت کے کتابہ کی فرمایش کی، اُس نے یہ غزل لکھ کر پیش کی،

اے خاک درت صندل سرگشتہ سران را　　　باد اثرہ، جاروب رہت، تاجوران را

جہانگیر نے اسکے صلہ مین تین ہزار بیگہ زمین انعام مین دلی،

گلزار[2] ابرار مین لکھا ہی کہ نظیری نے مرنے سے بارہ برس پہلے ترک دنیا کر کے گوشہ عزلت اختیار کیا، نظیری سنہ ۱۰۲۱[1] ہجری مین مرا ہے، اس لیے سنہ ۱۰۰۹ ہجری مین وہ گوشہ نشین ہوا ہے، دو تین قصیدون کے شان نزول مین اسنے خود بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لیکن امراء کی مداحی اس حالت مین بھی جاری تھی، چنانچہ یہ قصیدہ بھی اسی زمانہ کا ہے،

چندے بہ غلط بتکدہ کردیم حرم را　　　وقت ست کہ از کعبہ بر آریم صنم را

اخیر مین اسکو علوم دینیہ کی تحصیل کا شوق ہوا[2]، سنہ ۱۰۲۰ ہجری مین جب وہ خانخانان کی ہمرکابی مین دکن گیا ہی، تو راہ مین مندو سے گذرا، یہان شیخ غوثی مندوی سے ملاقات ہوئی

۱؎ سرو آزاد، اور ید بیضا، ۲؎ نسخہ موجودہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی،

انیسی، شریف کاشی، کافی سبزواری، ملا بقائی وغیرہ بھی اس سفر مین ساتھ تھے، نظیری کو جب دینیات کا شوق ہوا، تو انہین شیخ غوثی سے پہلے عربیت کی تحصیل کی، پھر مولانا حسین جوہری سے تفسیر اور حدیث پڑھی[1]،

سنہ ۱۰۲۰ ہجری مین گجرات سے آگرہ مین آیا اور خانخانان کو اپنا دیوان حوالہ کرکے پھر گجرات واپس گیا[2]،

سنہ ۱۰۲۳ ہجری مین بمقام احمد آباد گجرات وفات پائی، مکان کے قریب ایک مسجد بنوائی تھی، اسی مین دفن ہوا، یہ مآثر رحیمی کی روایت ہی ورنہ اور تمام تذکرون مین سال وفات سنہ ۱۰۲۱ ہجری یا سنہ ۱۰۲۲ ہجری لکھا ہے،

نظیری کی قبر جس محلہ مین ہے اسکا نام تاجپورہ ہی، قبر پر ایک گنبد بھی ہی،

عام حالات اور اخلاق و عادات

نظیری نے اگرچہ بہت سے دربارون کی آستان بوسی کی لیکن اسکا اصلی تعلق خانخانان کے دربار سے تھا، خانخانان کو خان اعظم کوکہ (اکبر کا رضاعی بھائی) کی بہن بیاہی تھی، اس تعلق سے خان اعظم کی مداحی بھی کی ہی، اور باقی اکبر اور جہانگیر اور مراد تو حکمران وقت تھے، انکی مداحی نکرتا تو کیا کرتا، معلوم ہوتا ہی کہ شہزادہ مراد سے اسکو دلی محبت تھی، شہزادۂ موصوف کا جو مرثیہ لکھا ہی، اُس مین دلی جذبات نظر آتے ہین،

اے بزم تیرہ، رخ چون ارغوان کجاست   وے رزم ادرہمی، شہ گیتی ستان کجاست

---

[1] گلزار ابرار و خزانۂ عامرہ تذکرۂ شفیلیبی، [2] مآثر رحیمی،

شوق سجود و حرمت تعظیم کمتر ست — آن نازِ صدر و سرکشیِ آستان کجاست
برگ و شگوفه ریخت ثمر از کجا خورم — بشکست شاخ برگ مرا آشیان کجاست
کس را سرود در خور این تعزیت نبود — پیدا کنید کاو دل این داستان کجاست
خلقی به شیون اند و نگویند حال چیست — صبر سخن شنیدن و تاب بیان کجاست

آفاق در مصیبت او ممتحن شده
این مرگ باعث الم مرد و زن شده

غم خاست، در پیاله می از ساغر افگنید — شد بزم تیره، پرده ازان رخ بر افگنید
شمعی که دهر روشن ازو بود، مرده است — پروانه را بر و بجا گستر افگنید
در بزم او ز حلقهٔ ماتم بخرام نیست — این حلقه را ز صحن سرا بر در افگنید
ریحانِ جلوه، یاسمن عشوه، ریخته — چینید و هم بران قد جان پرور افگنید
رفت آن سری که تاج بدو سرفراز بود — بر سر کنید خاک و کلاه از سر افگنید

خیزید تا به آن سرِ تابوت دم زنیم
عرضی کنیم و کار دو داعش بهم زنیم

خانخانان کے دربار مین جسقدر شعرا تھے، یعنی عرفی، شکیبی، انیسی وغیرہ سب سے معرکے رہتے تھے، ایک دفعہ خانخانان نے انیسی کو ایک خط لکھا جسکے حاشیہ پر نظیری کو بھی سلام لکھا تھا، نظیری کو نہایت ناگوار ہوا، ایک قصیدہ لکھا جس مین شکایت کا اسطرح اظہار کیا،[1]

۱؎ مآثر رحیمی،

مدحے دو سہ مخصوص لِ ما نگشید — مخدوم چنین یاد نہ کرد دست خدم را

ما نامِ خود از حاشیہ ششتیم کز این پیش — مہمانِ طفیلی نتوان بود قلم را

لاکھ

ایک دفعہ نظیری نے خانخاناں سے کہا کہ لاکھ روپے کا ڈھیر لگایا جائے تو کس قدر ہوگا؟ مین نے کبھی نہین دیکھا، خانخاناں نے لاکھ روپے منگوا کر سامنے رکھوا دیے، نظیری نے کہا خدا کا شکر ہے آپ کی بدولت مین نے لاکھ روپے تو دیکھ لیے، خانخاناں نے روپے اُس کے گھر بھجوا دیے،

تجارت

نظیری کو زرگری مین کمال تھا، اسکے ساتھ تجارت بھی کرتا تھا، شاعری کی فتوحات الگ تھی، اس بنا پر امیرانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور اُمرا مین اسکا شمار ہوتا تھا، لیکن مزاج مین عرفی کی آن بان نہ تھی، اس لیے مرتے مرتے بھی مداحی کا شغل نہ چھوٹا،

مذہب

بخلاف اور شعرا کے مذہب مین سخت تھا، اکبر کے دربار مین جن آزادانہ خیالات کے چرچے رہتے تھے، اُن سے بہت جلتا تھا، شاہزادہ مراد کی مدح مین جو قصیدہ لکھا ہے اُسمین اسکا خاص ذکر کیا ہے، اور ابوالفضل یا مبارک کا نام بھی کنایۃً لیا ہے،

طبیعتِ ہمہ ابنائے دہر ملحد شد — ولے ز فطنتِ تو بر طرف فتاد الحاد

اگرچہ فضلۂ از فاضلان حالِ دہر — بہ طمع جاہ و غنا کرد مذہب ایجاد

پس از حصولِ مرادات حالِ آن ہمہ — مثل چو باغ گشت و حسرت شداد

سفر حج جس ذوق شوق سے کیا ہے اس سے بھی اسکے مذہبی جوش کا اندازہ ہوتا ہے،

---

[1] مآثر الامرا تذکرہ خانخانان و خزانۂ عامرہ،

جہانگیر اور شاہ عباس صفوی دونون نے تنباکو کے استعمال کو منع کرا دیا تھا[1] لیکن ع

چھٹتی نہین ہی مُنھ سے یہ کافر لگی ہوئی

لوگ باز نہین آتے تھے، نظیری بھی اسکا جان دادہ تھا، چنانچہ تنباکو کی تعریف مین ایک غزل لکھی جو دیوان مین موجود ہی،

تنباکو کی تعریف

سے سنبل تنباکوے نہ آتش زحسارۂ — دل بوے خامے می دہد بے داغ آتش پارۂ
در نخل تنباکو نگر صوفی شدہ باز آمدہ — در کوے خود سرگشتۂ در شہرِ خود آوارۂ
چون بید مجنون ہر طرف افگندہ از سر طرۂ — چون دلقِ سالک ہر کجا افگندہ از برپارۂ

پوری غزل تنباکو کی تعریف مین ہے،

اس زمانہ مین نظیر نام ایک شاعر تھا، نظیری نے اُسکو لکھا کہ اپنا تخلص بدل دے تاکہ دونون تخلصون مین اشتباہ نہو، چونکہ نظیری دراصل نظیر سے ماخوذ ہی صرف ایک حرف زائد ہے اسلیے سرقہ کا الزام نظیری ہی پر عائد ہو سکتا تھا، نظیری نے دس ہزار روپے دیکر یہ حرف (زائد ی) خریدا، اور نظیر نے اپنا تخلص بدل دیا[2]،

شعرا مین سے خاص جن لوگون سے نظیری کے معرکے رہتے تھے، عرفی، ظہوری، اور ملک قمی تھے عرفی نے تو نظیری کو قابل خطاب نہین سمجھا، لیکن نظیری نے اُسکے مرے پیچھے قصیدہ مین اسکو گالیان سُنائین، چنانچہ عرفی کے حال مین ہم نے وہ اشعار نقل کردیے ہین، ظہوری اور قمی نے ۱۰۲۰ھ ہجری مین نظیری کے پاس اپنے دیوان بھیجے اور نظیری نے ایک ایک غزل کا جواب لکھا، یہ وحدی کا بیان ہی (ماخوذ از عرفات)

۱؎ آثر رحیمی، ۲؎ سرو آزاد اور ید بیضا،

لیکن اس مین کسی قدر مبالغہ معلوم ہوتا ہے، نظیری اس زمانہ کے وہی ایک سال کے بعد مرا ہے، اس لیے اتنے کم زمانہ مین ظہوری اور قمی کی ہزارون غزلون کا جواب کیونکر لکھ سکتا تھا۔

نظیری کی خصوصیات ۱- تمدن جب ترقی کرتا ہے تو ہر چیز مین نئے نئے تکلفات پیدا ہوتے ہین، اور اُنکے لیے جدت پسند صناع نئے نئے سامان پیدا کرتے ہین، یا ٹھیک اسی طرح مادی چیزون پر عمل کرتا ہے، غیر مادی اشیا یعنی خیالات، جذبات، محبت، راز و نیاز، سوز و گداز سب چیزون پر عمل کرتا ہے، مثلاً ابتدائے تمدن مین معشوق کے صرف رنگ روپ اور مناسب اعضا کا خیال آیا، اور اسکے لیے حسن ایک عام لفظ ایجاد کیا گیا، لیکن جب رنگین طبعی اور نکتہ سنجی زیادہ بڑھی تو معشوق کی ایک ایک ادا الگ الگ نظر آئی اور وسعت زبان نے انکے مقابلہ مین نئے نئے الفاظ مثلاً کرشمہ، غمزہ، ناز، ادا وغیرہ وغیرہ تراشے، اس قسم کے الفاظ اور ترکیبین جدت پسند طبیعتین ایجاد کرتی ہین، اور یہی طبیعتین ہین جنکو اس شریعت کا پیغمبر کہنا چاہیے، ان الفاظ کی بدولت آیندہ نسلونکو سیکڑون، ہزارون خیالات اور جذبات کے ادا کرنے کا سامان ہاتھ آجاتا ہے نظیری اس شریعت کا اولوالعزم پیغمبر ہے، اُسنے سیکڑون نئے الفاظ اور سیکڑون نئی ترکیبین ایجاد کین، یہ الفاظ پہلے سے موجود تھے، لیکن جس موقع پر اسنے کام لیا، یا جس انداز سے اُن کو برتا، شاید پہلے اس طرح برتے نہین گئے تھے، مثلاً

از کف نمی دہد دل آسان ربودہ را ۔۔۔ دیدیم زور بازوی ناآزمودہ را

آسان ربودہ کی ترکیب نئی ہے اور اس سے ایک وسیع خیال ادا ہوگیا، دوسرے

مصرع مین زور، بازو، ناآزمودہ، سب مستعمل الفاظ ہین لیکن ان سے نئی طرح سے کام لیا ہی
کھانا یہ تھا کہ معشوق کم سن ہی اور اسکو کسی طرح کا تجربہ نہین تاہم جس شخص کا دل ایک دفعہ اُسکے
آجاتا ہے پھر اُسکے پنجہ سے چھوٹ نہین سکتا، اس مضمون کو یون ادا کرتا ہی کہ مین نے دیکھا کہ
ایک ناآزمودہ بازو مین کس قدر زور ہے،

تا منفعل ز رنجش بیجا نہ سازمش — نی آرم اعتراف، گناہ نبودہ را
چہ خوش ستاز دو یکدل سرِ حرف باز کردن — سخنِ گذشتہ گفتن گلہ دراز کردن
سرِ عتاب بردن، ز دلِ ہم اندک اندک — بہ بدیہہ آفریدن بہانہ ساز کردن

شعر کا مطلب یہ ہی کہ وہ بھی لطف کا کیا موقع ہوتا ہی جب دو یکدل دوست آپس مین
مل بیٹھتے ہین، گفتگو چھیڑتے ہین، پرانے تذکرے کرتے ہین، شکایتین شروع ہوتی ہین
ایک دوست روٹھا ہوا ہی، دوسرا اسکو اس طرح آہستہ آہستہ مناتا جاتا ہی کہ جب وہ کوئی
شکایت پیش کرتا ہی تو یہ جھٹ کوئی تاویل گڑھ لیتا ہی، فوری تاویل کرنے کے لیئے "بدیہہ
آفریدن" کس قدر موزون لفظ ہی جو ایک بڑے خیال کو کس قدر مختصر لفظ مین ادا کر دیتا ہے
ز دلِ ہم، اور اندک اندک کی ترکیب کس قدر واقعہ کی تصویر کھینچ دیتی ہی،

نیست لذت ز نظر بازی بزمے کہ درو — خندۂ زیرلب و گریۂ پنہانے نیست

یہ اُس حالت کی تصویر ہی کہ معشوق، زیب مجلس ہی، ہر طرح کے لوگ جمع ہین، انہین
مین عاشق غمزدہ بھی ہی، وہ لوگون کی آنکھ بچا کر روتا ہی، معشوق دیکھ رہا ہی اور مسکراتا ہی
اس خیال کے ادا کرنے کے لیئے، خندۂ زیرلب اور گریۂ پنہان کس قدر موزون

ہین۔

بجان وقت شکایت از نگاہش مضطرب گشتم   کہ مضمون سخن صد بار از دل تا زبان گم شد

کہنا یہ تھا کہ مین معشوق سے شکایت کر رہا تھا، دفعتہً اُس نے میری طرف نگاہ غضب سے دیکھا جس کی وجہ سے میرا یہ حال ہوا کہ سو سو دفعہ دل سے بات نکلتی تھی لیکن ہونٹون تک آ آ کے رہجاتی تھی،

شرم از میان برخاستہ مُہر از دہان برداشتہ   گفتار بے ترسش ببین رفتار بے باکش نگر

شمار سے تا سحر دستم بزلف درہمی دارد   گریبانم گریبان ست دامن دامن ست امشب

شمار داشتن، یعنی مصروف بودن، مطلب یہ ہی کہ آج میرا ہاتھ زلف پریشان مین مصروف رہا (یعنی مین اُسکو سُلجھایا کیا) اور مین اپنے گریبان اور دامن کو نہ پھاڑ سکا، اسلیے آج میرا گریبان گریبان ہی اور دامن دامن ہی، یعنی دونون اصلی حالت پر ہین، گریبان اور دامن کے سلامت رہ جانے، کو صرف ان دو لفظون کے مکرر لانے سے ادا کر دیا ہی، اور کسقدر خوشنما طرز ادا ہے،

۲۔ وہ اکثر وجدانی باتون کو ایسے طریقہ سے ادا کرتا ہی کہ مجسم بن کر سامنے آجاتی ہین اور اس سی عجیب خاص لطف پیدا ہوتا ہے: مثلاً یہ امر کہ معشوق کا ایک ایک عضو یا ایک ایک ادا دلربا ہوتی ہی، یعنی ہر عضو اور ہر ادا کی طرف دل کھنچتا ہے، اسکو اس طرح ادا کرتا ہے؛

ز پاے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اس شعر سے یہ تصویر پیش نظر ہوتی ہو کہ معشوق کا سراپا ایک مجلس ہو، جس مین بہت سے تماشائی جمع ہین، انھین مین دل بھی ہو، کرشمہ، معشوق کے پیش خدمتون مین ہی، دل اس مجلس مین جب آجاتا ہی تو جدھر اسکا گذر ہوتا ہو، کرشمہ دامن پکڑ کر کھینچتا ہو کہ یہین بیٹھ جاؤ،

دو نیم گشتہ دل از کفر و دین نمی دانم — کزین دو پارہ دل آید ترا بکار کدام

مقصد یہ تھا کہ دل مین کفر اور ایمان دونون قسم کے خیالات جمع ہین یا دونون طرف اسکا میلان ہو، معلوم نہین تجھ کو کیا پسند ہو، اس خیال کو اس صورت مین پیش نظر کرتا ہو کہ کفر اور اسلام نے دل کے دو ٹکڑے کر دیے ہین، معلوم نہین کہ ان دونون ٹکڑون مین تیرے کام کا کون ہے،

کو زخم عاشقانہ کہ در جلوہ گاہِ حُسن — صد چاک دل بہ تار نگاہے رفو کنند

دل شکستہ در ان کوے می کنند درست — چنان کہ خود نشناسی کہ از کجا بشکست

کہنا یہ تھا، کہ معشوق کی گلی مین جانے سے رنج و غم اس طرح دور ہو جاتے ہین گویا کبھی تھے ہی نہین، اس خیال کو یون ادا کرتا ہو کہ دل گویا ایک شیشہ ہو، معشوق کی گلی مین شیشہ سازی کا کارخانہ ہو، وہان شیشہ اس طرح جوڑ دیا جاتا ہو کہ یہ بھی نہین معلوم ہو سکتا کہ کہان سے ٹوٹا تھا،

دیدنش بر دیدنِ من حسرت دیگر فزود — خواستم پیکان بر آرم از جگر، نشتر شکست

می روم جاے کہ غم آن جا ز دلہا می رود — نالہ از ہر جا کہ بر می خیزد آن جا می رود

دل بردہ در دل باختن معشوق عاشق پیشہ بین — بگرفتہ و انداختن، بازوے چالاکش نگر

شعر کا مطلب یہ ہو کہ معشوق کسی اور معشوق پر عاشق ہو گیا، لیکن معشوقی کی ادائین اب بھی

قائم ہین، اسلیے عین اُسوقت جبکہ اسکا دل ہاتھ سے جاتا رہا اُسنے معشوق کو اپنا عاشق بنا لیا، اس مطلب کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ گویا دو پہلوان لڑ رہے ہین ایک پہلوان نے گرتے گرتے داؤن کرکے حریف کو پچھاڑ لیا،

از یک حدیث لطف کہ آن ہم دروغ بود — امشب ز دفتر گلہ صد باب شستہ ایم

ادراک حال ما ز نگہ می توان نمود — لختے ز حال خویش بسیما نوشتہ ایم

من در پی رہائی و او در پے فریب — بر سر گرہ زند گرہ ناکشودہ را

کنایہ یہ تھا کہ عشق چھوڑنا چاہتا ہون، لیکن معشوق لطف اور مہربانی کی ایسی لگاوٹین کرتا جاتا ہی کہ اور عشق بڑھتا جاتا ہے، اس مضمون کو یون مجسم کرکے دکھاتا ہی کہ ایک دھاگے مین گرہ پڑ گئی ہی، ایک شخص اسکو کھولنا چاہتا ہے، لیکن حریف ایسا تیز دست ہی کہ ابھی ایک گرہ کھلنے نہین پاتی کہ اور دوسری گرہ لگا دیتا ہے،

دیدہ ام دفتر پیمان وفا حرف بحرف — نام خوبان ہمہ ثبت ست ہمین نام تو نیست

ز بیداد تو حرف مہر را نام و نشان گم شد — کتاب حسن را جز و محبت از میان گم شد

نہ چنان گرفتہ جا بمیان جان شیرین — کہ توان ترا و جان را ز ہم امتیاز کردن

یعنی معشوق اور جان دو چیزین ہین جو اسطرح رل مل گئے ہین کہ یہ پتا لگانا مشکل ہے کہ جان کہان ہی اور معشوق کہان،

ہر نرخ کہ میگیرند کالاے وفا خوب ست — پس از عمرے گذر افتاد بر ما کاروانے را

۴۲- اسی خصوصیت کے سلسلہ مین یہ بھی داخل ہی کہ نظیری اکثر حالات او کیفیات کی تشبیہ

مادیات اور محسوسات سے دیتا ہے، اور اسلیے اس سے ایک خاص استعجاب کا اثر پڑتا ہے کیونکہ جب دو مخالف چیزون مین تناسب اور تشابہ نظر آتا ہے تو طبیعت مین استعجاب پیدا ہوتا ہے اس قسم کے اشعار نظیری کے ہان کثرت سے ہین، مثلاً

شکوہ نقصان داشت فصلے از میان انداختم　　نرخ ارزان بود، کالا در دکان انداختم

یعنی مین معشوق کی شکایت کرتا تھا تو وہ ناراض ہوتا تھا، اسلیے مین نے تقریر کا یہ حصہ حذف کر دیا، اسکو یون تشبیہ دی کہ چونکہ دام اچھے نہین اُٹھتے تھے، اسلیے مین نے سودا اُٹھا کر دُکان مین ڈال دیا،

بس غنچہ نشگفتہ بتاراج خزان رفت　　رسم ست کہ رہزن زند از قافلہ پس را

حُسن چندے سر بدل شوخی و رعنائی دہد　　شہ چو گیرد مملکت اول بہ یغمائی دہد

یعنی حسن ابتدا مین شوخی اور رعنائی سے زیادہ کام لیتا ہے کیونکہ بادشاہ جب کوئی ملک فتح کرتا ہے تب پہلے لوٹنے والون کے حوالہ کرتا ہے کہ لوٹ لین حسن بادشاہ ہے اور شوخی و رعنائی فوج کے ساتھ کے لیٹرے ہین،

ز اظہار محبت بر زبان خلق افتادم　　چو محتاجے کہ گنجے یابد و ظاہر کند زودش

بوصلش تا رسم صد بار در خاک افگند شوقم　　کہ نو پروازم و شاخے بلندے آشیان دارم

آن دہد در گریہ پند ما کہ با ما دشمن ست　　ہر کہ می گیرد شنا در رابد ریا دشمن ست

پس از وارستگیہا بیشتر گشتم گرفتارش　　چو صیدے جست صیادش ز اول سخت تر گیرد

یعنی ایکمرتبہ دل معشوق سے چھوٹ اکر پھر جو گرفتار ہوا تو سخت گرفتار ہوا، قاعدہ ہے کہ

شکاری کے ہاتھ سے جب کوئی شکار چھوٹ جاتا ہی اور پھر ہاتھ آتا ہی تو شکاری اسکو خوب مضبوط پکڑتا ہے کہ پھر چھوٹنے نہ پائے،

از شوق شہیدانِ حریم سر کویش ۔ چون دانہ در آغوش نگنجد زمین را

ہمہ شب برلب و رخسار و گیسوی زنم بوسہ ۔ گل و نسرین و سنبل را صبا در خرمن ست امشب

یعنی مین لب، رخسار، اور بالونکو چومتا ہون، گویا نسرین اور سنبل کے خرمن مین صبا گھس گئی ہی،

محبت در دل غم دیدہ الفت بیشتر گیرد ۔ چراغے را کہ دودے ہست در سر زود در گیرد

یعنی جو دل ایکمرتبہ عشق مین گرفتار ہو چکا ہی، بہت جلد عشق سے متاثر ہو جاتا ہی، جسطرح وہ بجھا ہوا چراغ جس سے ابھی دھوان نکل رہا ہی، جلانے سے بہت جلد جل اُٹھتا ہی،

ز مہر بوالہوس گرد دولت عاشق نمی گردد ۔ طفیلی جمع شد چندان کہ جائے میہمان گم شد

یعنی ہوس پرستون سی معشوق کو اس قدر اُنس ہی کہ عاشقون کو نہین پوچھتا طفیلی اتنے جمع ہو گئے ہین کہ مہمان کی جگہہ نہین رہی،

بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی ست ۔ ہمین ورق کہ سیہ گشتہ مدعا این جاست

یعنی گو سب کچھ ہو، اگر دل صاف نہین تو کچھ نہین، گویا ایک کتاب مین بہت سی ورق تھے لیکن جس ورق پر سیاہی گر گئی ہے اصلی مطلب وہین تھا،

تا کے چو موج آب بہر سو شتافتن ۔ در عین بحر پائے چو گرداب بند کن

بر نمی آید ہلال عیدم از ابر امید ۔ عمر رفت و ہمچو طفلان بر در و بامم ہنوز

دلم از نالہ خوش گردید، امید اثر باشد — بے آسودہ شستم این خدنگم کارگر باشد

شکاریوں کا خیال ہے کہ جب تیر نشانہ پر لگتا ہے تو چٹکی کو آرام معلوم ہوتا ہے[1]، شعر کا مطلب ہے

کہ مین نے اب کے جو نالہ کیا اُس سے میری طبیعت بہت محظوظ ہوئی، اس سے قیاس ہوتا ہے

کہ نالہ مین اثر ہوگا، جسطرح چٹکی کو جب لطف محسوس ہوتا ہے تو ضرور وہ تیر نشانہ پر لگتا ہے،

چو خانۂ سر کشت ست عہد را بنیاد — ز ہر طرف کہ نسیمے وزید روزن شد

کھیت کی حفاظت کے لیے جو چھپر وغیرہ بنا لیتے ہین، اُسکو خانۂ کشت کہتے ہین

کہتا ہے کہ معشوق کے وعدے ایسے ہین، جیسے خانۂ کشت کہ جدھر سے ہوا کا ذرا جھونکا

آیا سوراخ ہو گیا،

خدنگ جعبۂ توفیق امشب در کمانم بود — غزالم در نظر بسیار خوب آمد خطا کردم

کہنا یہ تھا کہ آج مین معشوق کے ظلم سے تنگ آ کر اسکے حق مین بددعا کرنی چاہتا تھا

لیکن اسکے حسن کا خیال آیا، اور رُک گیا، اسکو یون ادا کرتا ہے کہ ہرن سامنے آیا مین تیر چلّہ مین

جوڑ چکا تھا، لیکن ہرن کی ادائین اسقدر آنکھوں مین کُھب گئین کہ مین نے دانستہ چھوڑ دیا۔

۴۔ وہ اکثر عشق اور عاشقی کی سچی اور صحیح واردا تین بیان کرتا ہے، اسلیے دل پر

اُن کا خاص اثر ہوتا ہے،

خواہی کہ بتو بیش شود عشق نظیری — گاہ از نظر خویش بران گاہ نگہ دار

معشوق سے کہتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ نظیری کا عشق اور بڑھے، تو کبھی اُسکو اپنی

[1] یعنی میری چٹکی کو بہت آرام اور لطف محسوس ہوا،

نظر سے گرا دو، اور کبھی محبت کی نظر سے دیکھ لو،

قاصد جگرم سوخت چہ پیغام وچہ نامہ　　دل بود ہمان خوش کہ بامید خبر بود

باوجود ناامیدی بسکہ مشتاق توام　　مدعی گر مژدۂ وصلم دہد باور کنم

کس قدر عجیب لیکن سچی بات ہی، انسان جب کسی بات کا نہایت مشتاق ہوتا ہی تو اُسکے ہونے کی خبر اگر دشمن بھی آکر بیان کرے تو انسان شوق کیوجہ سے یقین کر لیتا ہی اس بنا پر کہتا ہی کہ معشوق کے وصل کی خوشخبری خود رقیب بھی آکر دے تو مجھ کو یقین آجائے

بہر بانی او اعتماد نتوان کرد　　کہ تازہ عاشقم و خاطرش بمن صاف ست

این دل کہ در وصال تسلی از و نبود　　خرسندش از تغافل و دشنام کردہ ایم

یعنی ایک وہ وقت تھا کہ وصل حاصل تھا لیکن تسلی نہین ہوتی تھی، اور اس سے بھی زیادہ کسی چیز کو دل چاہتا تھا، یا یہ حالت ہی کہ وصل کا کیا ذکر ہی معشوق نظر تک اُٹھا کر نہین دیکھتا، اس مایوسی کی حالت مین اگر اتفاقاً اُسنے کبھی گالی بھی دیدی تو خوش ہوتا ہون کہ آگے کے لیے امید بندھتی ہی،

کس از معانقۂ روز وصل یابد ذوق　　کہ چند شب زہم آغوشِ خود جدا خفت ست

شد عمر و سر گرانی او برطرف نشد　　با ما بقدر مرتبۂ عشق ناز کرد

پایم بہ پیش از سر این کوئے رود　　یاران خبر دہید کہ این جلوہ گاہ کیست

مُردم از شرمندگی، تا چند با ہر ناکسے　　مروت از دو رہنمایند و گویم "یار نیست"

ایک خاص واقعہ کی تصویر کھینچدی ہی، حالت یہ ہی کہ معشوق اکثر کمینون اور ہوس پرستون

کے ساتھ رہتا ہی، لوگ جب اسکو کہین راستہ مین کمینون کے ساتھ جاتا ہوا دیکھتے ہین، تو دورسے عاشق (نظیری) کو دکھا کر کہتے ہین، دیکھو تمھارا یار جاتا ہی، عاشق غیرت کے مارے کہتا ہی کہ نہین میرا معشوق نہین کوئی اور ہوگا،

مشاطہ را بگو کہ براسباب حسن را — چیزے فزون کند کہ تماشا بما رسید

باعث راندنم از بزم بجز عار نبود — ورنہ کس را بمن و بودن من کار نبود

از یک حدیث لطف کہ آن ہم دروغ بود — امشب ز دفتر گلہ صد باب شستہ ایم

یعنی معشوق نے ذراسی مہربانی سے بات کہی اور تمام شکایتین جاتی رہین،

مرا بسادہ دلیہای من توان بخشید — خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

می گریم و از گریہ چو طفلان خبرم نیست — در دل ہوسے ہست و ندانم کہ کدام ست

اکثر ایسا ہوتا ہی کہ انسان کے دل مین عشقیہ درد اور گداز پیدا ہوتا ہی لیکن ابھی کوئی معشوق متعین نہین، اسلیے وہ سمجھ نہین سکتا کہ یہ حالت کیون ہی، اور اسکی تمثیل کس قدر عمدہ دی ہی بچے روتے ہین لیکن نہین جانتے کہ کیون روتے ہین؟ کیونکہ ان کو جو تکلیف ہی اسکے سمجھنے کی انکو عقل نہین،

ہمان عشق ست برخود بستہ چندین داستان ورنہ — کسے بر معنی یک حرف صد دفتر نمی سازد

بغل از نامۂ احباب پُر کرد و نے خواند — کہ می ترسد، شود مکتوب من ہم از میان پیدا

عاشقوں کے خطوط کا چنگ ہاتھ مین ہی لیکن کھول کر پڑھتا نہین کہ کہین خط میرا نہ نکل آئے،

من نخواہم رفت اما بہر تسکین دلش　　ہر کجا بینید گوئید ش کہ فردا می رود

یعنی مین اُس کی گلی سے جاؤن گا تو نہین، لیکن تم لوگ اُس سے ملنا تو کہدینا کہ کل چلا جاؤنگا

غنج و افسون زلیخا کار در یوسف نہ کرد　　ہر کہ دل در باختن دل بُردن نمیداند کہ چیست

نوازشے ز کرم می کند محبت نیست　　توان شناختن از دوستی مدارا را

یعنی معشوق جو مہربانی کرتا ہے انسانیت کے لحاظ سے کرتا ہی، محبت نہین، محبت اور مدارا مین جو فرق ہے اسکی تمیز خود ہو سکتی ہے،

نظیری کوی عشق ست این نہ شاہد بازی و رندی　　کہ گر پایت رود از دست کس پایت دگر گیرد

مشو از حال من غافل کہ زخمے کارئے دارم　　مبادا دیگرے صید ترا از خاک برگیرد

بہر زخمے کہ می گیرند کالاے وفا خوب ست　　پس از عمرے گذر افتاد بر من کاروانے را

سوادے کن زمن امروز تا غوغا بشہر افتد　　کہ اعجاز فلاتی کرد گویا بے زبانی را

مجلس چو بر شکست، تماشا بما رسید　　در بزم چون نماند کسے جا بہ ما رسید

۵ - نظیری کے کلام مین فلسفہ کم ہی، لیکن جس قدر ہی نہایت خوبی سے ادا ہوا ہی.

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ　　جُرم گناہِ دیدۂ صورت پرست ماست

چند از موذن بشنوم توحید شرک آمیز را　　کو عشق تا یکسو نہم شرع خلاف انگیز را

خضر صد منزل بہ پیشم آمد و نشناختم　　باز می باید ز سر گیرم رہِ پیمودہ را

اکثر ایسا ہوتا ہی کہ جو دلیلین ہمارے سامنے پیش کی گئین، یا جو مسائل ہمارے سامنے آئے وہ صحیح تھے، لیکن ہم نے اپنی بے پروائی یا کج طبعی یا گریزی کی وجہ سے اُس سے فائدہ

نہین اُٹھایا، اسلیے ہم کو نئے دلائل کی ضرورت نہین، اُنھین دلائل کو غور سے مکرر دیکھنا چاہیے اسی خیال کو اس شعر مین ادا کیا ہی،

ہرگز عطائے ساقی ما را کرانہ نیست — از تنگ ظرفی ست کہ پیمانہ پُر شدہ است

زین پیش شیشۂ دل ما ہم زسنگ بود — بے نسبت آشنا دلِ ما با دلِ تو نیست

شیشہ پتھر سے بناتے ہین، اس بنا پر کہتا ہے کہ میرے دل کو جو تیرے دل سے ربط ہی، بے وجہ نہین ہی، یہ شیشہ بھی (عاشق کا دل) پہلے پتھر تھا (معشوق کا دل پتھر ہوتا ہی) اس لیے ایک قسم کی مناسبت ہی،

اس شعر مین میلان جنسیت کے مسئلہ کو عاشقانہ پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

ہیچ کس نامۂ سربستۂ ما فہم نہ کرد — نہ ہین خاتمہ اش نیست کہ عنوانش نیست

یعنی دنیا کے آغاز و انجام کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی،

تو مپندار کہ این قصہ ز خود می گویم — گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

یعنی جو کچھ کہتا ہون دل مین القا ہوتا ہے تب کہتا ہون،

گر عکس روے خویش در آئینہ دیدۂ — توحید شیخ و شرک برہمن بجا شناس

یعنی توحید اور شرک دونون صحیح ہین، کیونکہ بت مین بھی کوئی جلوہ ہی جسپر برہمن شیدا ہی،

حور و جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہ دوست — اندک اندک عشق بر راہ آورد بیگانہ را

یعنی خشک طبع زاہد، معرفت الٰہی کیطرف یون نہین مائل ہو سکتے، اسلیے اُنکو حور اور جنت کی چاٹ دلائی جاتی ہے، اس لالچ سے جب وہ ذکر اور شغل مین مصروف ہوتے ہین

تو رفتہ رفتہ جذب الٰہی بھی پیدا ہو جاتا ہے،

ہیچ اکسیر بہ تاثیر محبت نرسد ‏ ‏ کفر آوردم و در عشقِ تو ایمان کردم

کفر و ایمان نبود شرط نظیری در عشق ‏ ‏ بتو کافر بنامیم کہ ولایت دارد

روے نکو معالجۂ عمر کوتہ است ‏ ‏ این نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ ایم

مارا چہ اعتبار روا اثر با وجود دوست ‏ ‏ جائے کہ جلوہ کرد حقیقت مجاز نیست

حُسن ہر سو در لباس دیگری نہان شود ‏ ‏ عشق ہر ساعت در آویزد بدامانِ دگر

بہر کارے کہ ہمت می گماری نصرت از حق جو ‏ ‏ کہ بر گنجشک دام افگندم و صید ہما کردم

تا کے چو موج آب بہر سو شتافتن ‏ ‏ در عین بحر، پاے چو گرداب بند کن

درین میدانِ پر نیرنگ حیران ست دانائے ‏ ‏ کہ یک ہنگامہ آرائی ست و صد کشور تماشائے

در طبع دوستان ز حسد راستی نماند ‏ ‏ انصاف اگر طلب کنی از دشمنان طلب

تعجب یہ ہی کہ نظیری اگرچہ نہایت مذہبی آدمی تھا، اور اکبر اور ابوالفضل کی لامذہبی پر نہایت لعن طعن کرتا ہے لیکن خود وہی خیالات ظاہر کرتا ہے جو اُس زمانے میں ابوالفضل وغیرہ کی طرف منسوب تھے، چنانچہ کہتا ہے،

بو البشر را قوے ملائکہ اند ‏ ‏ جز و کُل است در سجود این جا

حضرت آدم کے قوی بھی فرشتہ ہیں ‏ ‏ اور جز و، کل کو سجدہ کر رہا ہے

نزد تو جبریل وحے آورد ‏ ‏ عقل بر قع ز رخ کشود این جا

تمھارے نزدیک تو جبریل وحی لائے ‏ ‏ لیکن در اصل وہ خود عقل تھی،

۶- اس زمانے کے تمام نامور شعرا کا اصلی جوہر، طرزِ ادا کی جدت ہی، **نظیری** اس میدان مین اکثر حریفون سے آگے ہی،

عشق را کام بجز دل خود کام تو نیست　　صبح امید شب وصل در ایام تو نیست

(گویا اس مین ایک صبح اور ایک رات کم ہے)،

از کف نمی دہد دل آسان ربودہ را　　دیدیم زور بازوے نا آزمودہ را

بازم بہ کلبہ کیست نہ شمع و نہ آفتاب　　بام و درم ز ذرہ و پروانہ پر شدہ است

میرے گھر مین کون آیا ہی کہ نہ دھوپ ہی نہ شمع، باوجود اس کے در و دیوار پر ذرے اور پروانے ٹوٹ پڑے ہین (یعنی معشوق آفتاب بھی ہی اور شمع بھی)

بے تو دوشم در درازی از شب یلدا گذشت　　آفتاب امروز چون برق از سراے ما گذشت

ہیبت حسنش کسے را رخصت آہی نداد　　گرچہ ہر سو داد خواہی بود، او تنہا گذشت

در آرزوے نثار قدمِ تو ہمہ شب　　گہر فروش دو چشم مرادکان باز است

دعا کنید بوقت شہادتم او را　　کہ این دمے ست کہ درہای آسمان باز است

اس شعر مین جدت ادا کے ساتھ ایثار نفس کے مضمون کو نہایت بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے عاشق قتل کیا گیا ہی، اس تقریب مین آسمان کے دروازے کھل گئے ہین، اس حالت مین عاشق کو سب سے پہلے جو خیال آتا ہے وہ یہ ہی کہ معشوق کے حق مین لوگونکو دعا کرنی چاہیے کیونکہ یہ قبول دعا کا وقت ہی،

عارفان گوشۂ چشمے بدو عالم ندہند　　ہر کجا یار نقاب از رخ زیبا برداشت

ع- این قبلہ کہ کج شدہ، طرفِ کلاہ کیست

گرچہ میدانم قسم خوردن بجانت خوب نیست		ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندِ دگر

اس شوخی کو دیکھو، کہتا ہے کہ مین جانتا ہون کہ تمھاری جان کی قسم کھانا اچھی بات نہین، لیکن تیری جان ہی کی قسم کہ مجکو اور کوئی قسم یاد ہی نہین، شوخی و بلاغت یہ ہے کہ قسم نہ کھانے پر بھی قسم کھائے جاتا ہی، اور اس لطف سے کہ گویا اسکو خبر نہین کہ اُس نے قسم کھالی اسی مین یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اُسکو اور کوئی قسم یاد نہین،

قسمت چنین فتاد کہ ترکان مست او		در دورِ ما بطاق نہادند جام را

کہنا یہ تھا کہ ہم معشوق کی نگاہ سے محروم ہین، اسکو یون کہتا ہی کہ ہماری قسمت ایسی واقع ہوئی کہ ہمارے زمانے مین اِن تُرکون (معشوق کی آنکھین) نے پیالہ اُٹھا کر طاق پر رکھدیا اور شراب پینی پلانی چھوڑ دی،

ہیچ دل را ستم حادثہ مجروح نہ کرد		کہ نہ لعل تو برو ریخت نمکدانے چند

تو گر برہم زنی سودائے دل نازے زیان داری		مرا سرمایۂ دنیا و دین نابودمی گردد

یعنی دل کی خرید فروخت کا جو معاملہ طے ہو چکا ہی اُسکو تو اگر توڑ دے تو تیرا صرف ایک ناز ہی کا نقصان ہو گا، لیکن میرا تو دین اور دنیا کا جو کچھ سرمایہ ہی (یعنی دل) سب جاتا رہیگا،

چنان برہم زدی ہنگامۂ شور قیامت را		کہ اکثر نامۂ اعمال مردم از میان گم شد

با تو گستاخی ست گفتن ترک بدخوے نما		با دل خود گفتہ ام آئینہ را بے زنگ ساز

مقصد یہ ہی کہ معشوق تو بد مزاجی چھوڑ نہین سکتا، اس لیے مین نے اپنے دل کو

برداشت کرنے کی عادت ڈال دی ہی، اس مطلب کو یون ادا کرتا ہی معشوق سے مخاطب ہو کر کہ تم سے یہ کہنا تو گستاخی ہے کہ بدمزاجی چھوڑ دو، لیکن مین نے اپنے دل سے کہہ دیا ہی کہ آئینہ ایسا بناؤ جسکو زنگ نہ لگنے پائے،

بدل طرح وصالِ جاودانی نقش می بندم — اگر خود دوست می آید بخلوت دشمن ست امشب

عشق بازیم بمعشوق مزاجی انداخت — زان نیازے کہ بہ او ہست مرانازے ہست

یعنی عشق کرتے کرتے مجھ مین معشوق مزاجی آگئی، مجکو اسپر ناز ہی کہ مین اسکا نیازمند ہون،

میخواست بوسہ رخصت اقامت بگسترد — از فرش جبہ راہ بران خاک کو نبود

مقصد یہ ہی کہ مین اُسکی گلی کی خاک کو بوسہ دینا چاہتا تھا، لیکن اسقدر کثرت سے لوگ پیشانی رگڑ رہے تھے کہ جگہہ نہ تھی، اس مطلب کو یون ادا کرتا ہی کہ بوسہ نے چاہا کہ وہان قیام کے لیے بستر بچھائے، لیکن پیشانیون کا فرش بچھا ہوا تھا، اسلیے جگہہ نہ تھی،

دھرچون در دشمنی سست افگندم بہر — دشمن نامرد را من مرد میدان نیستم

درین عشرت کہ من جان می سپارم — نمی گرید بمرگم مادرم امروز

قاصد کہ می فرستی رطل گرانش در دہ — کز ما خبر نیابد تا بے خبر نباشد

یعنی قاصد جو بھیجنا تو خوب شراب پلا کے بھیجنا، کیونکہ جب تک خود بیخبر نہو گا، میری خبر اسکو نہ معلوم ہو سکے گی، مطلب یہ ہی کہ جب تک عشق آشنا نہو گا، میرے عشق کا حال کیا جان سکے گا،

در دیلے کہ سجود خمِ ابرو رسم ست — غیر محرابِ کج و قبلہ ویران مطلب

مقصد یہ ہی کہ جہان عشق کا چرچا ہو گا، وہان زہد و عبادت کرنا بے فائدہ ہی،

گرہ بر جبین ابرو از چہ داری　　　سر این نامۂ پیچیدہ بکشا

اگر بمعرکہ در خون فتادہ ام چہ عجب　　　ہمیشہ رزم بخود چون تہمتنی است مرا

ایک دقیق خیال کو ادا کیا ہی، کہنا یہ ہی کہ مین دوسرون کے لئے پر تو غالب ہو جاتا ہون لیکن خود میرا دل میرا مخالف رہتا ہی، اور اس کی خواہشون کو مغلوب کرنا پڑتا ہی، جس مین مجھ کو ناکامی ہوتی ہی اور نقصان اُٹھاتا ہون، اس خیال کو یون ادا کرتا ہی کہ اگر مین معرکے مین زخمی ہون تو کیا تعجب کیونکہ مجھ کو اپنے جیسے رستم سے لڑنا پڑتا ہی یعنی مین خود رستم ہون اور اپنے آپ سے لڑتا ہون،

کمر در خدمت عمرے است می بندم چہ تند قدم　　　برہمن می شدم گر این قدر زنار می بستم

۷۔ وہ غزلون مین کسی حالت کو مسلسل لکھتا جاتا ہے اور غزل کی غزل آدی ایک حالت کے بیان مین تمام ہو جاتی ہے، ان موقعون پر اندازہ ہو سکتا ہی کہ وہ ایک مضمون کی تمام جزئیات کو کس طرح احاطہ کرتا ہی، کس خوبی سے تسلسل بیان کو قائم رکھتا ہی، کس طرح عشق و عاشقی کی ایک ایک ادا سے واقف ہی، اسکے ساتھ رنگینی استعارات، جدت اسلوب، و شیرین زبانی کلام کو سحر سازی بنا دیتی ہی، مثلاً ایک غزل مین وصل کی حالت ادا کرتا ہی:

دارم درین دیار مغان شیوہ دلبری　　　بیخود خوش و میانہ خوش و ہوشیار تر

اس شہر مین میرا ایک معشوق ہی جس کی ادائین مغبچون کی سی ہین، وہ مستی مین بھی ہوش مین ہی اور درمیانی حالت مین بھی خوش ادا ہی،

دستار افگند تم کاکل پراگند　　　کاین ست وضع صحبت ویں جان نگار خوش

ٹوپی اتار کر رکھ دیتا ہی اور بالون کو بکھرا دیتا ہی، اس لیے کہ صحبت کا یہی انداز ہی اور معشوق اسی رنگ مین دلکش معلوم ہوتا ہے،

شاد و شگفتہ مطرب و ساغر طلب کند　　　یکسو نہد حجاب و در آید بکار خوش

خوشی سے کھل جاتا ہی اور مطرب اور شراب طلب کرتا ہی، شرم اٹھا دیتا ہے اور کام مین لگ جاتا ہی،

ہر گہ کند شتاب برفتن کہ دیر شد　　　تسکین دہم دلش کہ سکون و قرار خوش

جب جانے کے لیے جلدی کرتا ہی اور کہتا ہی کہ دیر ہو ئی جاتی ہی تو مین اسکو روکتا ہون کہ سکون اور قرار اچھی بات ہی،

تا دم زند کہ روز چہ رفت و ز ہفتہ چیست　　　نگذارمش شمار کہ نبود شمار خوش

جب یہ پوچھنا چاہتا ہی کہ کون سا ہفتہ ہی؟ اور دن کتنا چڑھا؟ تو مین اسکو یہ پوچھ گچھ کرنے نہین دیتا، کیونکہ پوچھ گچھ اچھی بات نہین،

او در وداع و من بجزع کز می و بہار　　　رطلے سہ چار ماندہ و روزے سہ چار خوش

وہ رخصت ہونا چاہتا ہی اور مین روتا ہون کیونکہ شراب اور بہار مین سے یہی دو تین پیالے اور دو تین دن مزے کے رہ گئے ہین،

ساغر کنم لبالب و گویم سبک بنوش　　　در موسم بہار نہ باشد خمار خوش

مین پیالہ بھرتا ہون اور کہتا ہون کہ آہستہ سے چڑھا جا، کیونکہ بہار مین خمار اچھی چیز نہین،

چندان کہ گویمش گذران ست عمر باش ... گوید صبا روانہ بہ و گل سوار خوش

مین ہرچند کہتا ہون کہ عمر گذری جاتی ہے، ذرا ٹھہر جاؤ، وہ کہتا ہے کہ صبا کا رو، نہ ہونا ہی اچھا ہے اور پھول کا سفر کرنا ہی بہتر ہے،

کارے بلا بہیش نظیری نمی رود ... باشد با وگذاشتن اختیار خوش

اے نظیری! اب خوشامد کچھ پیش نہین جاتی اس لیے اب اسی کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیے،

ایک غزل مین یہ حالت بیان کی ہے کہ معشوق خود کسی حسین پر عاشق ہوگیا ہے، اس حالت مین جو جو واقعات پیش آسکتے ہین انکو بیان کیا ہے، اور کس دلآویزی سے بیان کیا ہے،

چشمش برا ہے میرد و مژگان نما کش نگر ... در سینہ دارد آتشے، پیراہن چاکش نگر

دامے کہ زلفش انداختہ در گردن سیمینش بین ... خونے کہ مژگان ریختہ بر دامن پاکش نگر

زلف نے جو جال ڈالا تھا اب خود اسکی سیمین گردن مین ہے، مژگان نے جو آنسو گرائے ہین اسکے پاک دامن پر پڑے ہوے ہین،

شرم از میان برخاستہ مُہر از دہان برداشتہ ... گفتار بے ترسش ببین رفتار بیباکش نگر

شرم اور حجاب جاتا رہا، زبان کھل پڑی، اسکی بے جھجک باتین اور بیباکانہ رفتار دیکھنے کے قابل ہے،

از کوی معشوق آمدہ شوریدگان در حلقہ اش ... از صید آہو می رسد شیران بفتراکش نگر

معشوق کی گلی سے آیا ہے، اور عاشقوں کا جھرمٹ ساتھ ہے، ہرن کو شکار کرکے آیا ہے اور فتراک مین شیر ہین،

دل بردہ دو دل باختن معشوق عاشق پیشہ بین　　　　بگرفتہ در انداختن بازوے چالاکش نگر

عاشقی مین معشوقی دیکھو کہ دوسرے کو دل دیتے دیتے خود اسکا دل اڑا لیا۔

۳۔ نظیری نے روزمرہ اور محاورات نہایت کثرت سے برتے ہین جس سے زبان دانی [illegible] ملتی ہے، اسکے ساتھ اکثر محاورات وہ ایسے استعمال کرتا ہی کہ جس مطلب کو ادا کرنا چاہتا ہے بغیر اس محاورہ کے وہ اس خوبی کے ساتھ ادا نہین ہو سکتا تھا، مثالون سے [illegible] کا اندازہ ہوگا،

ع، طفل بودیم کہ باز از شکر و شیر شدیم	از شیر باز شدن، دودھ چھڑایا جانا،
ع، سخت است حال مشکل اگر تا سحر کشم	حالت سخت ہی مشکل ہی کہ صبح تک زیچ جاؤن
ع، شبنم بروی بستر ونرگس بخواب گیر	بخواب گرفتن، سوتے مین جا لینا،
ع، نیم بسمل شدہ بر سر پروانہ ہست	بر سر پرواز، اڑنے کو ہے،
ع، شرح سودائے ترا نسخہ نسیا برداشت	نسخہ برداشتن، کتاب کا نقل کرنا
ع، شب آخر گشت و افسانہ از افسانہ می خیزد	افسانہ از افسانہ میخیزد، بات مین سے بات نکلتی ہی،

اس قسم کے سیکڑون روزمرے اور محاورے اسکے کلام مین مل سکتے ہین،

طالب آملی

ملک الشعرائے دربار جہانگیری

سلسلۂ تیموریہ مین یون تو ہر فرمان روا، سخن فہم و داد شناس گذرا ہی لیکن جہانگیر اس فن مین اجتہاد کا درجہ رکھتا تہا، وہ فطرۃً محبت کیش تھا اور ازل سے دردمند دل لیکر آیا تھا اسکا اثر اگرچہ اُس نے آئین و نظام سلطنت مین چندان نمایان نہونے دیا، یہانتک کہ تزک مین نورجہان کا جہان جہان ذکر آیا ہی مطلق نہین معلوم ہوتا کہ یہ نام اسکی زبان سے لذت لیکر نکلتا ہی تاہم عشق اس کا خمیر تھا اور چونکہ فیضی کا شاگرد رشید تھا، اس لیے شعر و شاعری کا نکتہ دان اس سے بڑھکر کون ہوسکتا تہا، شہزادگی کے زمانہ سے شعرا اسکے دربار مین ملازم رہتے تھے، تخت سلطنت پر بیٹھا تو دربار شعرا سے بھرا ہوا تھا لیکن ملک الشعرائی کا تاج اس نے طالب آملی کے سر پر رکھا، جس سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ یہ شاعر کس پایہ کا ہوگا، یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسوقت طالب کا سن ۲۰ برس سے زیادہ نہ تھا، اس عمر مین یہ اعزاز، خاص اسی شاعر کا کارنامۂ اقبال ہی،

طالب آمل کا رہنے والا تہا، جو مازندران کا ایک شہر ہے، بچپن مین درسی علوم و فنون کی تعلیم پائی، اور اگر اسکے دعویٰ پر اعتبار کیا جاے تو ۱۵، ۱۶ برس کی عمر مین اسنے

ہندسہ، منطق، ہئیت، فلسفہ، تصوف اور خوشنویسی مین کمال حاصل کرلیا تھا، چنانچہ ایک قصیدہ مین لکھتاہے،

پا بر دہ ۱ مین پایۂ اوج عشر اتم ۔۔۔ واینک عدو فنم از آلاف ازیاد است

بر ہندسی و منطقی و ہئیت و حکمت ۔۔۔ دستی است مرا کش ید بیضا ز عباد است

دین جملہ چو طی شد بمکین علم حقیقت ۔۔۔ کاستادعلوم ست برین جملہ مراد است

در سلسلۂ وصف خط این بس کہ ز کلکم ۔۔۔ ہر نقطہ سویداے دل اہل سواد است

پوشم نسب شعر، چو دانم کہ تو دانی ۔۔۔ کاین پایہ مرا تا من این سبع شداد است

گو رواج عام کے لحاظ سے اس نے یہ تمام علوم حاصل کیے، لیکن وہ دراصل شاعری کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس لیے اسی کو اپنا فن قرار دیا،

اس زمانہ مین مازندران کا حاکم جسکو ایران کی اصطلاح مین وزیر کہتی تھی، میرابوالقاسم تھا اسکی مدح مین متعدد قصائد لکھے، ایک قصیدہ کا یہ مطلع ہی اور غالبًا یہ پہلا قصیدہ ہی،

سحر کہ غنچہ کشاید گرہ ز پیشانی ۔۔۔ زند دم از دم عیسے نسیم بستانی

سحر کہ طرۂ پیچان مشک سای نسیم ۔۔۔ بطرف عارض گلبن کند پریشانی

معلوم نہین کہ کن اسباب سے یہان طبیعت سیر ہوئی اور کاشان مین آیا۔ یہان مستقل سکونت اختیار کی، اور شادی بھی کرلی، تذکرہ میخانہ مین لکھا ہی کہ اسکی شاعری کا نشو ونما یہین ہوا، لیکن چند روز کے بعد یہان سے بھی برداشتہ خاطر ہوکر مرو مین آیا، یہ عباس صفوی کا

---

۱ یعنی ابھی مین نے دوسری دہائی مین قدم رکھا ہے،

زمانہ تھا، اور ملکش خان صوبے کا گورنر تہا، طالب نے ملکش خان کے دربار مین رسائی حاصل کی اور مدحیہ قصائد لکھے، دو برس تک یہان قیام رہا، ملکش خان نے قدردانی مین کمی نہ کی ہوگی لیکن طالب ہندوستان کی فیاضیون کا خواب دیکھا کرتا تہا، ایک مثنوی لکھکر ملکش خان سے وطن جانے کی اجازت حاصل کی، ابتدا مین لمبی چوڑی تمہید لکھی، پھر حرف مطلب اسطرح ادا کیا،

یکے بر حرف طالب گوش بکشاے — صدف را بر گہر آغوش بکشاے

دو سال آمد کہ از محنت کشان است — ترا چون بوسۂ فرش آستان ست

بہ کلی کردہ از مسکن فراموش — یکے گردیدہ رندے خانہ بردوش

نہ از خویشان کند نزدا قربا یاد — بدیدار تو دارد خویش را شاد

اگر لطف تو اش دستور بخشد — چو خور کو ذرۂ را نور بخشد

عنان سوے وطن تابیدہ چندی — کند خویشانِ خود را ریشخندی

دو روزے باغم آشامان سر آرد — دگر رہ سوے طوف این در آرد

بدین درگہ رساند خویشتن را — ز سر بیرون کند شور وطن را

وطن کا بہانہ تو اس لیے تہا کہ ہندوستان کا نام لیتا تو اجازت کیونکر ملتی۔

ملکش خان سے رخصت ہوکر، طالب نے سیدھا ہندوستان کا راستہ لیا اور اسوقت یہ رباعی لکھی[1]

---

[1] تذکرۂ میخانہ،

طالب! گل این چمن بہ بستان بگذار | بگذار کہ، می شوی، پریشان بگذار
ہندو نہ برد تحفہ، کس جانب ہند | بخت سیہ خویش بہ ایران بگذار

مطلب یہ ہی کہ ہندوستان مین کالی چیز، تحفہ لیکر نہین جاتے، اس لیے بخت سیہ نہین چھوڑ کر جانا چاہیے،

میخانے کے مصنف نے جو خود طالب کا ہمعصر اور ہم صحبت تھا، لکھا ہی کہ طالب مرو سے نکل کر سیدھا قندہار پہونچا، لیکن یہ تعجب انگیز غلطی ہے، قندہار جانے کا حال طالب نے خود ایک قصیدہ مین لکھا ہی، اس سے صراحۃً ثابت ہی کہ وہ ہندوستان مین برسون رہکر قندہار گیا ہے، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہی،

قرائن سے معلوم ہوتا ہی کہ اول جب وہ ہندوستان مین آیا تو یہان اس کو کامیابی نہین ہوئی، اور اسوجہ سے وہ تمام مشہور مقامات مین بہ تلاش معاش پھرتا رہا، دلی، لاہور، ملتان، سرہند ان مقامات کا ذکر اس نے بہ تخصیص کیا ہی، لاہور مین زیادہ دل لگا چنانچہ لاہور کی مدح مین ایک خاص قصیدہ لکھا ہے جسکے چند اشعار یہ ہین،

گمانم نیست کاندر ہفت کشور | بود شہرے بہ آب و تاب لاہور
میان بکشاد خوش واکش کہ در ہند | فراغت نیست جز در خواب لاہور

یہان اس نے شاہ ابو المعالی کی خدمت مین بیعت حاصل کی چنانچہ کہتا ہی،

کنم زان رو مرید آسا شب و روز | کرامتہا بیان در باب لاہور
کہ پیر و دستگیر و مرشد من | یکے قطب است از اقطاب لاہور

خدایا زندۂ جاوید دارش　　بہ آبِ خضر یعنے آبِ لاہور

ان شہرون مین وہ رندانہ وضع سے رہا اور خرمن حسن کی خوشہ چینی کرتا رہا، خوش قسمتی سے حسینون نے بھی اپنے پہلو مین اسکو جگہ دی، چنانچہ جب ہندوستان چھوڑ کر قندہار جانے لگا ہے تو جس گرمجوشی سے ان فتنہ گرون نے اسکو روکا ہے اسکی تصویر اسطرح کھینچی ہے،

نگارانِ لاہور و خوبان دہلی　　بدل کردہ بودند پیوندِ جانم
یکے چہرہ سودے بچشم رکابم　　یکے بوسہ دادے بزلف عنانم
فشاندی یکے در بغل، یاسمینم　　نہادے یکے در دہان برگِ پانم
غزالان ملتان بہ نیرنگ سازی　　کہ بندند از غمزہ دست و دہانم
من از جلہ چون نگہت گل گریزان　　کہ خود را بہ بزم ہمایون رسانم

اس زمانہ مین غازی خان وقاری، امرای جہانگیری مین نہایت ممتاز تھا، اسکا باپ مرزا خانی ۱۰۰۱ھ ہجری مین اکبر کے حکم سے ٹھٹہ کا صوبے دار مقرر ہوا تھا ۱۰۰۸ھ مین جب اسکا انتقال ہوا تو غازی خان باپ کا جانشین ہوا جہانگیر نے اپنے عہد سلطنت مین اسکو قندہار کا گورنر مقرر کیا، اور سندھ کا علاقہ جاگیر مین دیا، وہ نہایت قابل اور دریا دل تھا، اکثر اہل کمال، مثلاً اسد قصہ خوان، مرشد بروجردی، میر نعمت اللہ وغیرہ نے اسکے دامن تربیت مین تعلیم پائی ہے، ایران سے جو اہل کمال، ہندوستان کا رُخ کرتے تھے، ان کی پہلی منزل اسی کا آستانہ

ہوتا تھا،

شاعری مین مشہور شعرا کا ہم پلّہ تھا، **وقاری** تخلص کرتا تھا، پانچ ہزار شعرون کا دیوان یادگار مین چھوڑا، میخانہ مین اس کے ساقی نامہ کے بہت سے اشعار نقل کیے ہین، غزل کا یہ رنگ ہی،

در عہدِ تو ما را ہمہ با خیر خطاب است
سر پنجۂ مژگان و گریبان عتاب است

گریم گر سبب خندۂ او شد چہ عجب
ابر ہر چند کہ گرید رُخ گلشن خندد

کجاست یک دو سہ ہمدم کہ ہیچو موسیقار
نشستہ پہلوی ہم بر کشیم آوازی

غرض اس کی قدردانی کی شہرت نے طالب کو قندہار جانے پر آمادہ کیا، پہلے ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا جس مین حاضری کی استدعا کی، تمہید کے بعد اصل مطلب اس طرح ادا کیا،

یکے بلبل بے پر و بالِ شوقم
کہ محرومی از طوفِ گلزار دارم

درین خستہ آبادنی روی ماندن
نہ سامان یک گام، رفتار دارم

ندانم چرا یا رب این سان خرابم
چو لطف خداوند معمار دارم

صف آرای تیغ و قلم **خان غازی**
کہ لب در ثنایش گہربار دارم

بلند آفتابے کہ دور از رہ کاوش
برخ کوکبِ اشکِ سیار دارم

جدا از آستانش ز رشکِ و مادم
سر آستین رشک گلزار دارم

آگرہ سے لاہور، ملتان ہوا قندہار پہونچا، چونکہ برسات کے دن تھے

راستہ مین بہت تکلیف اٹھائی، ملتان مین چار مہینے قیام کرنا پڑا، چنانچہ پہلا قصیدہ جو غازی خانکے دربار مین پیش کیا ہے، اس مین یہ تمام حالات لکھے ہین،

خدای داند من بندہ کاندرین مدت — چہا کشیدہ ام از حادثات دورانی
درین سفر کہ نصیبم مباد دیگر بار — بگونہ گونہ غم بود صحبتِ جانی
تراختلاطی باران برشگالی را — زمن مپرس کہ این قصہ نیست پایانی
ز اکرہ[1] تا بخیابان گلشن لاہور — رفیق بودم با ابرہای بارانی
بعزم ملتان چون زورقے شدم چو ہلال — زد از سرشکم، نیلاب (دریا کا نام ہے)، کوس عُمّانی
ز کثرت ملتان نزدیک شد بدان کہ مرا — بدل شود لقب آملی بہ ملتانی
دران مضیقِ ملالت چہار مہ بودم — بسانِ مُہرہ بششدر تمام حیرانی

غازی خان نے خاطر خواہ قدردانی کی اور مقربان خاص مین داخل کیا، طالب نے بہت سے پرزور قصیدے اس کی مدح مین لکھے ہین، جس مین مداحی سے گذر کر عاشقی کا دعوی کیا ہے،

تکلف نیست معشوقِ من ست او نیست ممدوحم — ازان این شعر عشق آمیز در مدحش سرائیدم

بدقسمتی سے غازی خان ۱۰۲۰ھ مین جبکہ اسکی عمر صرف ۲۵ برس کی تھی اپنے ایک غلام کے ہات سے مسموم ہوا، طالب کے لیے اب کوئی ٹھکانا نہ رہا، مجبوراً اُس نے پھر ہندوستان کا رُخ کیا اور آگرہ مین آیا، خواجہ قاسم دیانت خان نے جو

[1] آگرہ کو ایرانی شعرا ہمیشہ اکرہ لکھتے ہین،

امرائے جہانگیری مین حضور رس تھا، اس کی قدردانی کی اور عبد اللہ خان فیروزجنگ کے نام جو اسی سنہ مین گجرات کا حاکم مقرر ہوا تھا، اسکی سفارش مین خط لکھا، عبد اللہ خان نے خط بھیجکر بُلایا **طالب** نے اس واقعہ کو بڑے فخر اور ناز سے لکھا[1] ہے

صبا رفتار پیکے، در طلوع صبح نورانی	بگوشم زد صدائے زنگ[2] چون بانگ سلیمانی
ز سیر آہنگی آن نغمہ مست از جائے برجستم	بہر جانب نگاہے تاختم از روے حیرانی
یکے باد غبار آلودہ بر در، جلوہ گر دیدم	عرق ریزان چو مروارید شُ از اطراف پیشانی
(یعنے قاصد) دویدم پیش و گفتم خیر مقدم، دانگہ افشاندم	بپایش مشتے از ناسفتہ گوہرہاے مژگانی
گلاب آوردم و پیشانیش از گرد دِرہ شستم	دریغا کاش بودے قدرتم بر آبِ حیوانی
بپایش آشنا کردم بسے وز گرد نعلینش	نمودم سرمہ دانِ دیدہ پر کُحلِ صفاہانی
پس از وے با ہزاران شوق بیتابانہ پرسیدم	کہ اے جاروب راہت شہپر مرغ سلیمانی
لبت آبستن رمزے ست گویا مژدہ داری	کہ می بارد ز رویت ہمچو گل آثار خندانی
چو بشنید این سخن بکشود لب وانگاہ چون طوطی	زبان را چاشنی داد از ادائے شکر افشانی
بگفت اے عندلیبِ گلشن معنی کہ بر یادت	قدح نوشند، خوش طبعانِ ایرانی و تورانی
بشارت بادکانیک با ہزاران مژدہ آوردم	خطِ آزادیِ مرغ دلت از دامِ حیرانی

[1] آگرہ مین آنے اور قاسم خان کی سفارش کا حال میخانہ مین لکھا ہے،

[2] زنگ گھونگرو کو کہتے ہین اس زمانے مین ڈاک کے ہرکارے گھونگرو باندھکر چلتے تھے یہ اسکی طرف اشارہ ہے،

درِ ثنائے تکلم کاغذین دُرجے پراز گوہر | بہ بوسید و بدستم دادا ز روے روش دانی
سن آن منشور دولت چون بدست خویشتن دیدم | شدم سرتا قدم بہر سجود شکر پیشانی
بسوے قبلۂ گجرات رو تسلیم ہا کردم | بہ آدابے کہ بر من کرد گردون آفرین خوانی
پس از تسلیم بکشودم ز عنوان مہر شکینش | چو دیدم آفتابے چند در جلباب ظلمانی
شدم شاداب تر چون مُہر عنوان راقم دیدم | بنام نامیِ سرچشمۂ توفیق یزدانی
سحاب فیض **عبداللہ خان** آن مظہر احسان | کہ فیض بحرے ز دست ہمتش چاین بردہ نی کانی

طبیعتون کا اختلاف دیکھو! **عرفی** کو خود جہانگیر نے قاصد بھیجکر بلایا تھا۔ لیکن وہ قاصد کی نسبت اس قدر کہکر رہ گیا،

کہ ناگہان ز درم در رسید فرخندہ پے | چنانکہ از چمن طائرم بمغز شمیم

بخلاف اسکے **طالب** ایک معمولی امیر کے ہرکارے کے پاؤن چومتا ہی، اسکی پیشانی کی گرد گلاب سے دھوتا ہی، اور حسرت کرتا ہی کہ آبِ حیات کہان سے لاؤن۔

عبداللہ خان نے حد سے زیادہ طالب کی عزت کی، اور انعام و اکرام سے مالامال کردیا، طالب نے عبداللہ خان سے درخواست کی کہ آپ دربار مین جائین تو مجکو بھی ساتھ لیتے چلین، چنانچہ ایک قصیدہ مین کہتا ہے،

آسمان قدرا چو داری در خیال | عزم درگاہِ شہنشاہِ زمان
و ز جوان مردانِ ایرانی سپاہ | برگزیدہ ستے چہل شیر ژیان

سلہ میخانہ ۱۲

گرچه من در جرگهٔ شیران نیم | لیک از اخلاص دارم چشم آن
کز نظر چون بگذرد تفصیل اسم | نام طالب نیز باشد درمیان

غالبًا عبداللہ خان سے یہ خدمت انجام نہو سکی، اس لیے طالب نے اور تدبیرین اختیار کین،

شاپور طہرانی ایک مشہور شاعر تھا، وہ نورجہان بیگم سے قریبی قرابت رکھتا تھا یعنی اسکا باپ اعتماد الدولہ کا جو نورجہان بیگم کا باپ تھا، حقیقی چچا تھا، وہ تجارت کرتا تھا اور اکثر اعتماد الدولہ کے ہان اس تقریب سے آمد و رفت تھی، طالب نے شاپور سے راہ و رسم پیدا کی، لاہور مین اس سے جا کر ملا، ایک غزل مین اس واقعہ کا ذکر بھی کیا ہے،

بحمداللہ کہ در ملکِ سخن دستور را دیدم | ہمان رشک عطارد شاعر مشہور را دیدم
بہ خسرو داشتم روے نیازے در سخن **طالب** | از و در سو ختم چون صنعت **شاپور** را دیدم
چہ خوش حالم کہ بعد از مدت یکسالہ مہجوری | خوش و خوشوقت او را دیدم و لاہور را دیدم

غرض شاپور کے ذریعہ یا کسی اور تحریک سے **اعتماد الدولہ** کے دربار مین رسائی ہوئی اعتماد الدولہ نے اسکو دامن تربیت مین لیا اور خاص توجہ مبذول کی، تذکرہ میخانہ مین لکھا ہی کہ جہانگیر کے دربار مین، اعتماد الدولہ ہی نے اس کی تقریب کی، لیکن اور تذکرون اور دیگر قرائن سے ثابت ہوتا ہی کہ اول اول اسکو دیانت خان نے دربار مین پیش کیا، جو جہانگیر کی خدمت مین خاص تقرب رکھتا تھا، جہانگیر کے سامنے اس نے طالب کی

اس قدر تعریف کی کہ جہانگیر نہایت مشتاق ہوا، **دیانت خان** خود ساتھ لے کر گیا لیکن طالب نے حماقت سے چلتے ہوے **مفرح**[1] کا استعمال کیا، جس سے اسکے حواس جاتے رہے،

جہانگیر نے مہربانی سے باتین کرنی چاہین، لیکن طالب پتھر کی تصویر تھا، دیانت خان کو سخت ندامت ہوئی، **طالب** گھر پر واپس آیا تو اسکی معذرت مین فی البدیہہ ۵ شعرون کا ایک قطعہ لکھکر دیانت خان کی خدمت مین بھیجا، مدح کے بعد جہان سے اصل مطلب شروع کیا ہے اس موقع کے چند اشعار یہ ہین،

چہ لطفہا کہ نمودی و می نمائی نیز — بہر غریب و مسافر علی الخصوص بمن
نخست آن کہ چو در غربتم نظر کردی — بہ مہر بردی از خاطرم ہوائے وطن
چہارم آن کہ بہ بزم شہنشہم بردی — چو دل بہ پہلوی خود ساختی مرا مسکن
بیاد شاہم سرگرم گفت و گو کردی — بہر دیدمی خفاش را حریف سخن
تو آنچہ باید کردی. ولیک طالع شوم — بدستیاری گردون نفاق زد با من
بہ بست نطق مرا بخت بد زان بستن — کشود بر من، ہم دوست طعنہ ہم دشمن

[1] یہ ایک معجون تھا جو شراب کے بجائے استعمال کیا جاتا تھا اور محتاط اسکو شراب کے بجائے کام مین لاتے تھے، کلیم نے اسی کیطرف اس قطعہ مین اشارہ کیا ہے،

بلند قدر اسرگشتگان وادی غم — مفرحے پے دفع ملال می خواہند
چو بادہ بے تو حرام است ان نمی طلبند — حرام عیشان کیف حلال می خواہند

گراگمان کہ چو من استعارہ پردازی — بصد زبان فصاحت بیانِ شود الکن
گراگمان کہ فتد رشتۂ کلام مرا — چو تارِ زلفِ عروسان شکن بر شکن
ازین قیاس نما غور کن، کہ قدرت کیست؟ — بیک دو لحظہ چنین قطعہ ادا کردن
دو چیز مُہر زبان سخنوری گردید — مرا بہ بزم شہنشاہ خوش عیار سخن
یکے زبونی طالع کہ دایم از اثرش — ہر دیار قریبم بہ گونہ گونہ محن
دگر نہ یادتی نشۂ کہ نامش را — نمی توانم از شرم برلب آوردن
اوا صریح کنم تا گمان مے نبری — چرا کہ شستہ ام از وی بہفت آب دہن
مفرحے زدہ بودم بہ قصد گفتن شعر — عروج نشۂ آن کرد ہر چہ کرد بمن
بہ بزم بادشہم زان زبان نمی گردید — کہ گشتہ بود مرا خشک از زبان و دہن
سخن شناسا! پیش تو چون برآرم سر — کز انفعال سرم غوطہ خورد در گردن
نہ کردہ جرم مرا عفو کن بہ لطف عمیم — کہ خوش نما است خطا ہی نکردہ بخشیدن
من ارچہ بیگنہم بخت من گنہگار است — گناہ بخت مرا لطف کن، بہ بخشش بمن

اعتماد الدولہ نے طالب کو مُہرداری کی خدمت سپرد کی، یہ خدمت اگرچہ ایک معزز خدمت تھی، لیکن طالب شاعری کے سوا اور کسی کام کا نہ تھا چونکہ بیدلی سے اس کام کو انجام دیتا تھا اس لیے ایسی بے عنوانیاں اس سے سرزد ہو جاتی تھیں، کہ اس کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا، آخر اس نے ایک قصیدہ لکھ کر اعتماد الدولہ کی خدمت میں پیش کیا، اور اس خدمت سے مستعفی ہو گیا، قصیدے کے چند اشعار

یہ ہین،

دو زہرست در ساغرم ہر دو قاتل — دو زخم است بر سینہ ام ہر دو کاری
یکی آنکہ بے خواہش نفس و کوشش — بر ویم شگفت این گل شرمساری
دگر آن کہ شد رنجہ یارے کہ با من — نزے مو لمویش دم از دوستداری
نیم ز اہل دیوان بدفتر چہ کارم — مرا شاعری زیبد و می گساری
بمن خدمت مدح فرمودن اولے — کہ بس عاشقم بر جوا ہر نثاری
نہ چسپد بر اہل سخن شغلِ دنیا — چو بر پیر میخانہ پرہیزگاری
ز شاعر ثنا سنجی آید نہ خدمت — کہ بلبل نوا خوان بود نہ شکاری
خصوصاً چو من شاعرے کز تجرد — بہ روحانیان زیبدم ہم قطاری
منت بندۂ داغدار قدیمم — بخادم کنون مُہر خود می سپاری
چو مہر تو دارم چہ حاجت بمُہرم — مرا چہر داری بہ از مُہر داری
حق این است اما ز جرمی کہ رفتہ — ہمہ انفعالم، ہمہ شرمساری
ہمین خجلتم دور دارد ز خدمت — چو ابلیس مجرم ز درگاہ باری
دگرنہ ہمان طالب حق شناسم — ز سر تا قدم شوق خدمتگذاری

اعتماد الدولہ نے اس کی تقریب دربار شاہی مین کی، جہانگیر نے بلاکر زمرۂ شعرا مین داخل کیا، اور سنہ ۱۰۲۰ھ مین ملک الشعرای کا خطاب عنایت کیا، چنانچہ خود تزک مین لکھتا ہے،

درین تاریخ **طالب آملی** بخطاب ملک الشعرائی خلعت امتیاز پوشیدہ
اصل اُو از آمل ست، یک چندے بہ اعتماد الدولہ می بود، چون رتبۂ
سخنش از ہمگنان در گذشت در سلک شعرائے پائے تخت منتظم گشت، این
چند بیت از دست،

اس کے بعد طالب کے چند اشعار نقل کیے ہین، جو آگے مناسب موقع پر درج کیے جائین گے،

جہانگیر کے دربار مین اس نے اخیر زندگی تک نہایت عزت و احترام سے بسر کی، صرف ایک موقع ایسا پیش آیا کہ کسی بات پر **جہانگیر** ناراض ہوگیا، اور **طالب** چند روز تک شرف حضور سے محروم رہا، ایک قصیدہ مین اس واقعہ کو نہایت لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے،

بہ نسبت گہرم دادہ بودی ز کف خویش	ترا ز جود زیانے چنین ہزار افتاد
مجھ کو موتی سمجھ کر تو نے پھینک دیا تھا	سخاوت کیوجہ سے تو نے ایسے نقصان بہت اٹھائے ہین
چو رد شدم ز کفت چرخ از ہوا بر بود	بہ گرمے کہ زبانم بزینہار افتاد
جب تو نے مجھکو پھینک دیا، تو آسمان نے اٹھالیا	اس گرمجوشی کے ساتھ کہ خود مین پناہ مانگنے لگا،
یکے مقابل خورشید داشت آئینہ ام	بدید کز عرقش موج بر عذار افتاد
تھوڑی دیر تک آسمان نے میرا آئینہ کو آفتاب کے سامنے رکھا،	اور دیکھا کہ آفتاب کے چہرے پر پسینہ آگیا
چو پیش مشعل مہ بر دشب چراغ مرا	بچہرہ گونۂ کاہیش شمع دار افتاد
پھر چاند کے مشعل کے سامنے کیا،	اس کا چہرہ شمع کی طرح زرد پڑ گیا،

ازین نشاط مگر دست آسمان لرزید | کہ باز درکفِ خاقان کامگار افتاد
اس خوشی سے آسمان کا ہات کانپا | اور دوبارہ مین بادشاہ کے ہات مین آکر گرا
کنون برشتۂ مہرش بدار کز تقدیر | دوبار درکفت این دُرشاہوار افتاد
اے بادشاہ! اب مجکو محبت کی لڑی مین پرولے | کیونکہ دو دفعہ یہ موتی تیرے ہاتھ سے گرچکا،

طالب نے ۱۰۳۶ھ مین، یعنی جہانگیر کے مرنے سے ایک برس پہلے عین شباب مین وفات پائی،

عزہ و اولاد | طالب کی ایک بہن تھی جسکا نام ستی النسا تھا، جسکو طالب ماں کی برابر سمجھتا تھا، اسکو طالب کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ صرف اس سے ملنے کے لیے ایران سے آگرہ مین آئی۔ طالب اسوقت جہانگیر کے ساتھ دورہ مین تھا، بہن سے ملنے کے لیے اجازت طلب کی اور یہ قطعہ لکھ کر پیش کیا،

صاحبا! ذرہ پرورا! عرضے | بزبان سخن وراست مرا
پیرہمشیرہ ایست غم خوارم | کہ با وجہ مادر است مرا
چاردہ سال بلکہ بیش گذشت | کز نظر دور منظر است مرا
دور گشتم زخدمتش بعراق | دین گنہ جرم منکر است مرا
اودنیاورد تاب دوری من | کہ بہ مادر برابر است مرا
آمدایتک بہ اکرہ وزشوقش | دل طپان چون کبوتر است مرا
می کند دل بسوی او آہنگ | چہ کنم شوق رہبر است مرا

گر شود رخصتِ زیارت او　　بہ جہانے برابر است مرا

اس کی شادی **نصیرای کاشی** سے ہوئی تھی، جو میرزا صائب کے استاد مسیح کاشی کا حقیقی بھائی تھا، نصیرا کی وفات کے بعد ستی النسا، **ممتاز محل** (زوجہ شاہجہان) کی پیش خدمت مقرر ہوئی، چونکہ نہایت قابل، خوش تقریر، اور خانہ داری کا خاص سلیقہ رکھتی تھی، اسکے ساتھ علم طب مین اسکو مہارت تھی، **ممتاز محل** نے اسکو مہرداری کی خدمت سپرد کی، فارسیت اور فن قرأت کی واقفیت کی وجہ سے **جہان آرا** بیگم کی تعلیم بھی اسکے متعلق کی گئی، ممتاز محل کے مرنے کے بعد شاہجہان نے اس کو حرم شاہی کا **صدر کل** یعنی مدار المہام مقرر کر دیا،

طالب کے اولاد ذکور نہ تھی، دو لڑکیان تھین، ستی النسا نے مان کی حیثیت سے پالا، بڑی کی شادی عاقل خان، اور چھوٹی کی ضیاء الدین خان سے کی، ستی النسا چھوٹی لڑکی کو بہت چاہتی تھی، سنہ ۲۰ جلوس مطابق ۱۰۵۶ھ شاہجہانی مین اس نے بمقام لاہور وفات پائی، **ستی النسا** اس کے ماتم مین سوگ نشین ہوئی، شاہجہان نے خود اسکے پاس جاکر ماتم پرسی کی اور محل مین ساتھ لایا، لیکن ستی النسا کو ایسا سخت صدمہ پہونچا تھا کہ حرم سے واپس آکر اسی دن مرگئی، شاہجہان نے دس ہزار روپے تجہیز و تکفین کے لیے عطا کیے، اور حکم دیا کہ لاش محفوظ رکھی جائے، تاج محل کی قبر کے پچھم جانب جلوخانہ سے متصل تیس ہزار روپے کی لاگت سے مقبرہ کی تیاری کا حکم دیا، جو سال بھر مین بنکر تیار ہوا، کچھ اوپر ایک سال کے بعد لاہور سے لاش منگوا کر مقبرہ مین دفن کی اور مقبرہ کے اخراجات

کے لیے ایک گانوٗن عطا کیا جسکی سالانہ آمدنی تیس ہزار روپے تھی،

تیموریون کی یہی شاہانہ قدردانیان تھین جنھون نے ان کے آستانے کو دنیا کے اہل کمال کا قبلہ حاجت بنا دیا تھا،

عام حالات واخلاق وعادات

عبدالنبی فخر الزمانی جو تذکرہ میکدہ کا مصنف اور طالب آملی کا معاصر تھا، اسکے حالات مین لکھتا ہی،

آن بلبل دستان سرا، درہمان سال کہ ۱۰۲۰ھ بود بدار الخلافت آگرہ آمد این ضعیف رامرتبۂ اول درہند دران ایام با و ملاقات واقع شد، جوانی دید بہ انواع ہنر آراستہ، چنان خلیق ونرو و آشنا کہ درین فن نیز عدیل نداشت در مثنوی خویش دو سہ بیت در دوست آشنائی خود بیان فرمودہ حقا کہ حالی اوست و دران تکلفے نہ کردہ، آن ابیات این ست،

کتب طے کردہ ام در دوستاری | یکے علامہ ام در علم یاری
سزد آنان کہ علم مہر دانند | درین فنم وحید الدہر خوانند
نباشد بیوفائی در بساطم | وفا یک گل بود از اختلاطم

اس سے ثابت ہوتا ہی کہ طالب نہایت دوست پرور، وفا شعار اور خوش اخلاق تھا، زمانہ کی ضرورتون نے اگرچہ اُس سے دردر کی خاک چھنوائی، یہانتک کہ شیدا نے اسکی ہجو مین کہا،

لہ یہ پوری تفصیل مآثر الامرا جلد دوم صفحہ (۹۱) و (۹۲) مین ہے،

شب و روز مخدومنا طالبا — پے جیفۂ دنیوی در تگ است
مگر قول پیغمبرش یاد نیست — کہ دنیا است مردار طالب[1] سگ است

لیکن حقیقت یہ ہی کہ وہ فطرتًا غیور اور خوددار تھا، غازی خان کے دربار مین پہونچکر اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ پھر کسی کے آگے کبھی ہات نہ پھیلائے گا لیکن اسکی بدقسمتی تہی کہ غازی خان جوانامرگ ہوگیا،

عبداللہ خان ناظم گجرات نے اسکی قدردانی مین کمی نہین کی لیکن صحبت بے میل تھی، عبداللہ خان کو شعروشاعری سے کچھ لگاؤ نہ تھا، اس لیے وہ طالب کی سرپرستی لازمۂ امارت کی حیثیت سے کرتا تھا، اور طالب اسکو پسند نہین کرتا تھا، اعتمادالدولہ نے خود اسکو جہانگیر کے دربار مین پہونچایا، اور بہت سے چکر کھاکر اب وہ اصلی مرکز پر آیا،

طالب نے ہر موقع پر اپنی آن قائم رکھی، اعتمادالدولہ کے نام اسنے ایک منظوم خط لکھا ہی، اس مین لکھتا ہے کہ شاعری دو قسم کے لوگ اختیار کرتے ہین، ایک وہ پست ہمت جو پیشہ کی حیثیت سے اس کام کو کرتے ہین، دوسرے وہ عالی طبع جنکو فطرتًا خدا نے شاعر بنایا ہے،

دو صنف اند اہل طبیعت کہ ہر یک — ندارند باہم سر سازگاری
یکے را فرومائگی کرد شاعر — یکے را بزرگی و عالی تباری
یکے اضطراری است انشای نظمش — یکے راست شغل سخن اختیاری

[1] الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب، کی طرف اشارہ ہے،

یکے را علوِ طبیعت بجائے | کہ دزدو، سر از سایۂ تاجداری
یکے آن چنان پست فطرت کہ بالد | بخود از خطابِ فصاحت شعاری
یکے را طمع گشتہ ہادی این راہ | یکے را جوانی وہنگامہ داری

ان دونون قسمون کی تفصیل لکھ کر پوچھتا ہے،

گدا شاعر و میرزا شاعری ہست | ندانم مرا بر چہ ہنجار داری

یعنی دو قسم کے شاعر ہوتے ہین "گدا" اور "میرزا" فرمائیے آپ مجکو کس قسم مین شمار کرتے ہین؟ پھر خود جواب دیتا ہے،

من از شاعری شکر للہ کہ دارم | بہ بخت بلند تو امید داری
کہ گر، دہر یک دانہ یاقوت گردد | درو بینم از چشم بے اعتباری
بہ گلزار معنے ہزار فصیحم | بہ منصب چہ شد نیستم گر ہزاری
ز آزادگانم تعلق ندانم | مرا نیست با اہل شیوہ کاری

جہانگیر نے ایک دفعہ نشہ کے ترنگ مین حکم دیدیا تھا کہ مقربان خاص ڈاڑھی ترشوا کر شریک صحبت ہون، طالب نے اس حکم کی تعمیل سے سرتابی کی، اور گھر مین بیٹھ رہا پھر ایک قطعہ لکھ کر بھیجا جس مین غیر حاضری کی یہ معذرت کی،

تراشید گانند یک سر سپاہ | کسے را چو من تُبرہ پُر کاہ نیست
بہ بزمے کہ موے نہ گنجد درد | شدن باد و گز ریش دلخواہ نیست
بہشت است بزم تو در بہشت | من نا تراشیدہ را راہ نیست

یعنی ایسی محفل مین جہان ایک بال کی گنجائش نہین، دوگز کی ڈاڑھی لیکر جانا کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا آپ کی محفل بہشت ہی، اور بہشت مین مجھ ناتراشیدہ کا گذر نہین ہوسکتا، پھر ایک اور قطعہ لکھا،

سفر می کنم صاحبا[1] ورنہ من | چہ سرور نہ گردن تراشیدمی
بناخن نہ از تیغ، از روی خویش | من این مشت سوزن تراشیدمی
سر وریش وابرو بروت ومژہ | برسم برہمن تراشیدمی
ہر آن کو تراشید پیش از ہمہ | از و بیشتر من تراشیدمی
چو من راہیم خارج از رسم تو | کہ موقت رفتن تراشیدمی

منشی فیروز نے ۱۰۲۹ھ مین طالب سے ملا تھا، اس نے ملاقات کے جو واقعات لکھے ہین ان سے طالب کی طرز زندگی کی دلچسپ باتین معلوم ہوتی ہین، اسلیے ہم اسکا خلاصہ لکھتے ہین

۱۰۲۹ھ مین جب بادشاہ فتح پور مین آیا تو مجکو طالب کی ملاقات کا شوق

---

[1] مولوی غلام علی آزاد نے خزانۂ عامرہ مین لکھا ہی کہ اکبر نے ہندوؤن کی طرح آتش پرستی اور ریش تراشی اختیار کرلی تھی، جہانگیر نے بھی باپ کی تقلید کی، اور اسی حیثیت سے طالب کو بھی داڑھی ترشوانے کا حکم دیا، لیکن جہان تک ہمکو معلوم ہی، اکبر اور جہانگیر کسی عزیز کے مرنے کے وقت داڑھی کا صفایا کراتے تھے جس کو ہندی زبان مین بھدرا کہتے ہین، دربار کے خوشامدی بھی اس موقع پر بادشاہ کی تقلید کرتے تھے، طالب کو بھی اسی موقع پر حکم ہوا ہوگا، ورنہ داڑھی ترشوانا تو خود ایرانیون کا عام شعار تھا، جو آج بھی تمام ایران مین جاری ہی شیعہ لوگ ہندوستان مین بھی خشخاشی ڈاڑہی رکھتے ہین طالب اس سے کیون انکار کرتا،

پیدا ہوا، تالاب کے کنارے ایک خیمہ تہا، طالب اسمین مقیم تہا مین گیا تو دیکھا
کہ گویا اعتکاف مین ہی سامنے دیوان کے اجزا ہین مصافحہ و معانقہ کے بعد
پوچھا کیونکر تشریف لانا ہوا، مین نے کہا آپکے چند شعر سُنے تھے، انکو سُنکر ملاقات
کا شوق ہوا، پوچھا کیا شعر تھے، مین نے یہ شعر پڑھے،

ع لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی   ع مژہ در جہان نمی بینم

جب یہ شعر پڑہا،

مردم ز رشک چند بہ بینم کہ جام مے   لب بر لبش گذارد و قالب تہی کند

تو اچھل پڑا۔ اُٹھکر گلے لگایا، میرے ذوق سخن کی نہایت تعریف کی، میری کمر
مین ہات ڈال کر کہا کمر بند کھول ڈالیے اور آرام سے تشریف رکھیے کہ ایک دو
دن لطف سے گذرین،

عین اسی حالت مین ایک مغل آگیا، جسکے ہات مین **خاقانی** کا دیوان تہا،
اور **طالب** سے پڑھنا چاہتا تہا، **طالب** نے کہا آج معاف رکھو مدت کے
بعد ایک درد آشنا ملا ہے، اس سے لطف صحبت اُٹھائینگے، لیکن مُغل
کب مانتا تہا، دیوان کھول کر یہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا،

در پردۂ دل آمد من کشان خیالش   جان شد خیال بازی در پردۂ وصالش

در مرکز مثلث بگرفتہ ربع مسکون   فریاد اوج مریخ از تیغ مہ صقالش

طالب نے اس شعر کے معنی بیان کیے تو چونکہ علمی استعداد نہ تھی اناپ شناپ

باتین کہنی شروع کین۔ مجکو بے اختیار ہنسی آگئی، طالب نے جھلا کر کہا کہ اس قسم
کے اشعار کو تم لوگ ہندوستان مین درس کے قابل سمجھتے ہو مین ایسے شعر
ناخن پاسے لکھتا ہون، مین نے کہا شاعری اور چیز ہی اور سخن فہمی اور چیز، طالب
مکدر ہو کر چپ ہو گیا، مجکو بھی ملال ہوا کہ ناحق مین نے اسکا دل دکھایا، اُسکے
خوش کرنے کو مین نے اور سلسلہ چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ کل دربار مین آپ کے کس
شعر پر لوگ معترض تھے، طالب نے کہا یہ شعر تھا،

عنبر افسردہ ام در پردہ دارم بوی خوش،

اسپر آصف خان نے اعتراض کیا کہ عنبر کو افسردہ نہین کہہ سکتے، اور ون
نے بھی اسکی تصدیق کی، مین نے کہا کہ خاقانی نے پتھر کو فسردہ کہا ہی پھر عنبر نے
کیا قصور کیا ہی، خاقانی کا شعر یہ ہی،

کز فیض او بہ سنگ فسردہ رسد نما،

طالب نہایت خوش ہوا، اور مجھ سے کہا کہ اس شعر کو ایک پرچہ پر لکھدیجیے[۱]

شاعری اس امر مین طالب تمام شعرا سے ممتاز ہی کہ وہ فطرتاً شاعر تھا، یعنی جب نہایت
کمسن تھا۔ اسوقت سے شعر کہتا تھا۔ ایک قصیدہ جو کلیات مین موجود ہی، اسوقت کا ہی
جب تقریباً اُس کی عمر ۱۲-۱۳ برس کی تھی، خود اس بات پر فخر کرتا ہی، اور کہتا ہی،

غیر کلک من نشان ندہد کسی کز آب شعر   دفتر اسلاف شوید کودک دہ یا دو ساله
(ہاتھ سے لکھا: کل پرسون)

[۱] تذکرہ شعرا از احمد علی سندیلوی ذکر طالب آملی،

یعنی میرے قلم کے سوا اسکی کوئی مثال نہین مل سکتی، کہ کل کا لونڈا اچھلو سنکے کا ناموس پر پانی پھیر دے،

وہ نہایت جلد شعر کہہ سکتا تہا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اُسنے قلم ہات مین لیا اور بے تکلف لکھتا گیا، دو تین گھنٹے مین ۵۰، ۶۰، شعرون کا قصیدہ تیار ہو گیا، **قلیچ خان** ناظم لاہور کی شان مین ۴۰ شعرون کا قصیدہ ایک رات مین لکھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

منم کہ نیست چو من شاعرے ز اہل سخن   منم کہ نیست چو من قابلے ز اہل کلام

گواہ این دو سہ معنی ہمین قصیدہ بس است   کہ یافت از سر شب تا سپیدہ دم اتمام

جہانگیر کی مدح مین اسکا ایک بڑا پر زور قصیدہ ہی جس مین ۵۰، ۶۰ شعر ہین،

چو شہسوار مرا چشم بر شکار افتاد   بزخم تیر نگہ، صید بے شمار افتاد

یہ بھی صرف رات بھر کی کمائی ہی، چنانچہ خود کہتا ہے،

بہ خام دستیم اے شہریار خردہ مگیر   کہ یک شب این ہمہ نقشم بروے کار افتاد

پہلی دفعہ جہانگیر کے دربار مین ناکامی کے بعد جو قطعہ دیانت خان کو لکھا تہا، وہ بھی بالکل قلم برداشتہ تہا۔ خود کہتا ہے،

ازین قیاس نما غور کن کہ قدرت کیست   بیک دو لحظہ چنین قطعۂ ادا کردن

شاعری مین **طالب** کا امتیازی وصف صرف دو چیزین ہین، ندرت تشبیہ لطف استعارہ، استعارات کی نزاکت اسکے دور سے پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن اُس نے اور زیادہ لطافت اور ندرت پیدا کر دی، اسکا کلام کہین سے اُٹھا کر دیکھو، ہر جگہ نئی نئے

استعارے نظر آئین گے، انمین سی اکثر لطیف اور نازک ہین، اور بعض بعض معما سازی اور چھوٹے طلسم ہین، اس موقع پر ہم اسکے چند منتخب اشعار درج کرتے ہین، انمین ابتدا کے چار شعر وہ ہین، جو جہانگیر نے تزک جہانگیری مین ملک الشعرائی کے خطاب دینے کے وقت انتخابًا درج کیے ہین، باقی مرزا صائب کے انتخاب ہین،

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی ... دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد

عشق در اول و آخر ہمہ وجد است و سماع ... این شرابیست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

دو لب خواہم یکے در مے پرستی ... یکے در عذر خواہی ہاے مستی

ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست ... کہ گل بہ دست تو از شاخ تازہ تر ماند

دشنام خلق را ندہم جز دعا جواب ... ابرم کہ تلخ گیرم و شیرین عوض دہم

بے نیازانہ ز ارباب کرم می گذرم ... چون سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشان گذرد

مرد بے برگ و نوا را سبک از جاے بگیر ... کوزہ بے دستہ چو بینی بدو دستش بردار

مزہ در جہان سنے بینم ... دہر گوئی دہان بیمار است

نظارہ ترا دو جہان جز دو چشم نیست ... یک چشم باز ماندہ و یک چشم برہم است

خانہ شرع خراب است کہ ارباب صلاح ... در عمارت گری گنبد دستار خودند

ما را زبان شکوہ ز بیداد چرخ نیست ... از ما خطے بمہر خموشی گرفتہ اند

درین انجمن غیر لبہاے یار ... دو مے را بیک نشہ کم دیدہ ام

با صد کرشمہ آن بت بدمست می رود ... خود می کند خرام و خود از دست می رود

میرزا صائب اصفہانی

ایران کی شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور میرزا صائب پر ختم ہوگئی، رودکی سے پہلے بھی شعرا گذرے ہین، اور میرزا صائب کے بعد بھی لوگون نے طبع آزمائیان کین، لیکن یہ دونون دور شمار کے قابل نہین، اخیر دور مین قاآنی بے شبہہ ایسا شخص پیدا ہوا جس نے دفعتہً شاعری کی کایا پلٹ کردی، لیکن اُسکی شاعری کوئی نئی شاعری نہین، بلکہ اس نے سات سو برس کے بھولے ہوے خواب کو یاد دلایا اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ فرخی اور منوچہری نے قاآنی کا قالب اختیار کرلیا،

شاعری ابتدا سے جس انداز پر چلی آتی تھی، اکبری اور صفوی دور نے دفعتًا اُسکی روش بدل دی، عرفی، نظیری، وحشی یزدی، شفائی نے ہزارون گوناگون خیالات پیدا کرکے شاعری کے میدان کو نہایت وسیع کردیا، بالخصوص عشق و عاشقی کے رموز و اسرار اور فلسفۂ زندگی کے ایسے سیکڑون ہزارون نکتے بیان کیے، جو قدما کے خواب و خیال مین بھی نہ آئے تھے، لیکن یہ جو کچھ تھا اکبر و عباس صفوی کا فیض تھا، جہانگیر و شاہجہان نے شاہانہ فیاضیان اکبر سے بھی زیادہ دکھائین، لیکن تمام پُرزور قوتین کام مین آچکی تھین، جہانگیر و شاہجہان کیلیے فطرت کی فیاضی کا بہت کم سرمایہ رہگیا تھا، اس عہد مین بھی جو کچھ ہوا وہ اکبر ہی کی تحریک دہ قوت تھی، قدسی، طالب آملی، طالب کلیم، گو جہانگیری و شاہجہانی شعرا ہین، لیکن یہ بھی اکبر ہی کے نہال فیض

کے برگ وبار ہین،

میرزا صائب بھی اسی عہد کے یادگار ہین، اور سچ یہ ہی کہ کلیم کے سوا اس دور مین کوئی شخص اُسکی ہمسری کا دعوی نہین کرسکتا، اور اسکے بعد تو عالمگیر کے زہد خشک نے شاعری کا چراغ ہی گل کر دیا،

صائب ایک معزز خاندان کا آدمی تہا، اسکا باپ مشہور تاجر تھا، اسکی ولادت تبریز مین[ل] ہوئی، لیکن نشو ونما او رتعلیم و تربیت اصفہان مین حاصل کی اسی بنا پر اسکو تبریزی اور اصفہانی دونون کہتے ہین، شعر و شاعری سے اسکو قدرتی مناسبت تھی، آغاز سن شعور مین جب اسکی شاعری کے چرچے ہونے لگے تو ایک شخص نے امتحان کے طور پر ایک مہمل مصرع پیش کیا کہ اُسپر مصرع لگا دیجیے، مصرع یہ تھا،

شمع گر خاموش باشد، آتش از مینا گرفت

صائب نے پیش مصرع کہکر مصرع کو بامعنی کر دیا،

امشب از ساقی ز بس گرم ست محفل بیدلان　　شمع گر خاموش باشد، آتش از مینا گرفت

یعنی آج محفل ایسی گرم ہی کہ اگر شمع بجھ جاے تو بوتل سے آگ روشن کیجا سکتی ہی،

باوجود شاعری کے صائب پر مذہبی خیالات بہت غالب تھی، آغاز شباب مین حرمین کا سفر کیا، واپسی کے بعد مشہد مبارک کی زیارت کی، اور اظہار عقیدت کے طور پر ایک

ل آتشکدہ مین لکھا ہی کہ اسکے خاندان کو عباس صفوی نے اصفہان مین لیجا کر آباد کرایا تھا، اور صائب یہین پیدا ہوا، ۱۲ ید بیضا،

قصیدہ لکھا، جسکا ایک شعر یہ تھا،

للہ الحمد کہ بعد از سفر حج صائب　　عہد خود تازہ بسلطان خراسان کردم

صائب نے شاعری کی باقاعدہ تعلیم، حکیم رکنا مسیح کاشی اور حکیم شفائی سے حاصل کی، حکیم رکنا مشہور شاعر گذرا ہی، شاہ عباس صفوی اُسکے گھر پر اُس سے ملنے آتا تھا، شاہ عباس کو حاسدون نے اُس کی طرف سے رنجیدہ کر دیا، تو حکیم رکنا نے دربار سے قطع تعلق کیا، اور یہ مطلع لکھا،

گر فلک یک صبحدم با من گران باشد سرش　　شام بیرون میروم چون آفتاب از کشورش

اسکے بعد ہندوستان چلا آیا اور اکبر و جہانگیر کے دربار مین رسائی پائی، شاہجہان جب تخت پر بیٹھا تو قطعہ تاریخ لکھ کر بارہ ہزار روپے صلے مین حاصل کیے، ۱۰۴۱ھ مین مشہد مقدس کی زیارت کی اجازت لی، شاہجہان نے زاد سفر کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت کیے، ۱۰۴۶ھ مین انتقال کیا،

ہندوستان کی فیاضیون کے غلغلہ سے تمام ایران گونج رہا تھا، صائب کے دل مین بھی تحریک پیدا ہوئی، چنانچہ خود کہتا ہے،

ہمچو عزم سفر ہند، کہ در ہر دل ہست　　رقص سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

زاد سفر کے لیے اگرچہ شاعری سے بہتر کوئی چیز نہ تھی، لیکن **صائب** چونکہ ایک معزز تاجر کے گھر مین پیدا ہوا تھا، اس نے یہ مبتذل طریقہ پسند نہ کیا، اور تجارت کے ذریعہ سے دلّی مین آیا، شاہجہان کے دربار مین رسائی حاصل کی اور ہزاری منصب اور **مستعد خان**

خطاب عطا ہوا انہین ظفر خان سے ملاقات ہوئی۔ اور اس قدر تعلقات بڑھے کہ صائب اور ظفر خان کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے[۱]،

ظفر خان مشہور اُمرائے تیموری مین سے ہی، اسکا باپ خواجہ ابو الحسن اکبر کے زمانے مین ایران سے آکر دکن کا دیوان مقرر ہوا تھا، جہانگیر نے اپنے زمانے مین وزیر اعظم مقرر کیا ۱۰۳۳ھ مین وزارت کے ساتھ کابل کی حکومت بھی عطا کی، لیکن چونکہ وزارت کے تعلق سے پایہ تخت سے جدا نہین ہو سکتا تھا، اسکے بیٹے ظفر خان کو باپ کی قائم مقامی کے طور پر کابل کی حکومت ملی، **ظفر خان** نہایت فیاض اور قدردان علم و فن تھا، خود بھی شعر کہتا تھا، اور احسن تخلص کرتا تھا، مرزا صائب کی شاگردی نے اس کی استعداد کو اور ترقی دی، چنانچہ خود کہتا ہے،

طرز یاران پیش احسن بعد ازین مقبول نیست ‏‏ ‏‏ تازہ گوئیہای اُو از فیض طبع صائباست

مرزا صائب نے ظفر خان کی مدح مین متعدد قصائد لکھے، اور چونکہ ممدوح درحقیقت مدح و ثنا کا سزاوار تھا، میرزا کو اُسکی مداحی پر ناز تھا، ایک قصیدہ مین لکھتا ہے،

کلاہ گوشۂ بخورشید و ماہ می شکنم ‏‏ ‏‏ بہ این غرور کہ مدحت گر ظفر خانم
ز نو بہار ستایش، چو قطرہ ریزہ شوم ‏‏ ‏‏ قسم خورد دل سیر کلک ابر نیسانم
بلند بخت نہالا! بہار تر بتیا! ‏‏ ‏‏ کہ از نسیم ہوا داریت، گلستانم

[۱] صائب کے سفر ہندوستان کے متعلق نہایت مختلف و متناقض روایتین ہین، مین نے سرو آزاد، ید بیضا، ریاض الشعرا کو چھوڑ کر مرآۃ الخیال کی روایت اسلیے اختیار کی ہی، کہ اسکا مصنف صائب کا گویا ہمعصر تھا،

حقوق تربیت را، کہ در ترقی باد | زبان کجاست؟ کہ در حضرتت فرد خوانم
تو پایۂ تخت سخن را بدست من دادی | تو تاج مدح نہادی، بفرق دیوانم
ز ردی گرم توجوشید، خون معنیِ من | کشید جذب تو، این لعل از رگِ کانم
تو جانؔ زدخل بجا مصرع مرادادی | تو در فصاحت، دادی خطاب سحبانم
زدقّت تو بمعنی شدم چنان باریک | کہ می توان بدلِ مور، کرد پنہانم
چو زلف سنبل ابیات من پریشان بود | نداشت طرۂ شیرازہ روی دیوانم
تو غنچہ ساختی اوراق باد بردۂ من | وگرنہ خار نہ ماند از گلستانم

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہی کہ میرزا صائب نے اپنے دیوان کو ظفرخان کی فرمایش سے مرتب کیا تھا، ان اشعار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ ظفرخان میرزا صائب کے کلام پر اُستادانہ نکتہ چینیاں کرتا تھا، اور اس قسم کی روک ٹوک سے میرزا کا کلام اور زیادہ ترقی کرتا جاتا تھا،

۱۰۳۹ھ ہجری مین شاہجہان نے دکن کا رخ کیا، ظفرخان بھی اس سفر مین ہمرکاب تھا، اور میرزا صائب اسکے ساتھ تھا، جب برہانپور مین پہونچا تو چونکہ یہان کی زمین نہایت غبار انگیز تھی میرزا صائب نے کہا،

توتیا ساز وغبار را گرہ ولاہور را | چشم من تا خاکمال گرد برہانپور

صائب کے باپ کو صائب سے نہایت محبت تھی، اس زمانے مین ہندستان کا سفر ایک معمولی بات تھی اور ایران اور ہندوستان ایک مکان کے دو صحن بن گئے تھے، تاہم محبت

لہ ید بیضا و سرو آزاد بلگرامی،

کا یہ جوش تھا کہ میرزا کے باپ نے ستر برس کی عمر مین ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور پیارے بیٹے کو ساتھ لیجانا چاہا، میرزا صائب کو مجبوراً ظفر خان سے رخصت کی استدعا کرنی پڑی ایک مدحیہ قصیدہ لکھا اور اس مین اسطرح اظہار مطلب کیا،

ششش سال بیش رفت کہ از اصفہان بہند ۔۔۔ اُفتادہ است توسنِ عزم مرا گذار

آوردہ است جذبۂ گستاخ شوق من ۔۔۔ از اصفہان بہ اگرہ ولاہورش اشکبار

ہفتاد سالہ والد پیرست بندہ را ۔۔۔ کز تربیت بود بمنش حقِ بے شمار

زان پیشتر کز اگرہ بہ معمورۂ دکن ۔۔۔ آید عنان گسستہ تر از سیل بے قرار

این راہ دور را بسرِ شوق طے کند ۔۔۔ باقامتِ خمیدہ، و با پیکرِ نزار

دارم امید رخصتے، از آستانِ تو ۔۔۔ اے آستانت، کعبۂ امیدِ روزگار

مقصود او ز آمدنش بُردنِ من ست ۔۔۔ لب را بحرف رخصتِ من کُن گہر نثار

با جبہۂ کشادہ تر از آفتاب صبح ۔۔۔ دست دعا بہ بدرقۂ راہِ من بر آر

حُسن اتفاق کہ اسی زمانہ مین یعنی سنہ ۱۰۴۱ہجری مین شاہجہان نے دکن سے آگرہ کا قصد کیا اور آغاز سنہ ۱۰۴۲ھ مین ظفر خان کشمیر کی صوبہ داری پر ممتاز ہوا، میرزا صائب ظفر خان کے ساتھ کشمیر مین آیا اور اس بہشت برین کی سیر کر کے باپ کے ساتھ وطن کو واپس گیا، ایران مین ایسے جوہر قابل کے لیے قدر دانی کی کیا کمی تھی، سلاطین صفویہ نے بڑی عزت و احترام سے لیا، میرزا نے بھی اُن کی مدح مین پُر زور قصائد لکھے، شاہ عباس ثانی نے اسکو ملک الشعراء

[1] سرو آزاد،

کا خطاب دیا، لیکن جب اسکے بعد سلیمان صفوی تخت نشین ہوا، اور میرزا صائب نے قصیدہ لکھکر پیش کیا، جسکا یہ مطلع تھا،

احاطہ کرد خط آن آفتاب تابانرا　　گرفت خیل پری، درمیان سلیمانرا

تو سلیمان صفوی چونکہ نوخیز اور نوخط تھا، نہایت رنجیدہ ہوا، اور پھر تمام عمر میرزا سے خطاب نہ کیا[1]،

میرزا نے اگرچہ اخیر زندگی تک ایران سے قدم باہر نہین نکالا تاہم ہندوستان کی فیاضیان رہ رہکر یاد آتی تھین، جب نواب جعفر خان آغاز عہد عالمگیری مین وزیر اعظم مقرر ہوا تو میرزا نے یہ شعر لکھ کر بھیجا،

دور دستان را باحسان یاد کردن ہمت است　　ورنہ ہر نخلے بپای خود ثمر می افگند

جعفر خان نے پانچ ہزار روپیہ اور بقول بعض پانچہزار اشرفیان بھیجین[2]،

سنہ ۱۰۸۶ ہجری مین بمقام اصفہان وفات پائی "صائب وفات یافت"، مادہ تاریخ ہے، میرزا کا ایک مطلع ہے،

در ہیچ پردہ نیست، نباشد نوائے تو　　عالم پرست از تو و خالی ست جائے تو

میرزا نے وصیت کی تھی کہ یہ مطلع اسکے مزار پر کندہ کیا جائے، چنانچہ سنگ مرمر کے لوح پر کندہ کیا گیا،

عام حالات و عادات | مرزا نہایت خوددار، پابند وضع، پاکیزہ خو، اور منکسر المزاج تھا،

---

[1] ریاض الشعراء، [2] خزانۂ عامرہ،

شعرائے ایران کی عام عادت ہی کہ ہندوستانی شعرا کو مطلق خاطر مین نہین لاتے، امیر خسرو اور حسن کے سوا کسی ایرانی مستند شاعر نے کبھی کسی ہندوستانی شاعر کا نام نہین لیا، لیکن میرزا صائب اپنے ہمعصر ہندوستانیون کا نام بھی، غزل کے مقطع مین لاتا ہی، اور اُن کی غزلون پر غزل لکھنا گوارا کرتا ہی، ایک غزل غنی کے جواب مین لکھی ہی، اسکا مقطع یہ ہی،

این جواب آن غزل صائب کہ میگوید غنی ۔۔۔ یاد ایامیکہ دیگِ شوق ما سرپوش داشت

میرزا کی عادت ہی کہ اکثر شعرا کی غزلون پر غزل لکھتا ہی اور مقطع مین ان شعرا کے غزلون کے پورے مصرع نقل کر دیتا ہے۔ اس سے اسکی صحت مذاق اور خوبی انتخاب کا اندازہ ہو سکتا ہے،

این آن غزل کہ فیضی شیرین کلام گفت ۔۔۔ "در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ"

این جواب آن غزل صائب کہ می گوید ملک ۔۔۔ "چشم بنیش باز کن تا ہر چہ خواہی بنگری"

بطرز تازہ قسم یاد می کنم صائب ۔۔۔ کہ جاے طالب آمل در اصفہان پیداست

این جواب مصرع نوعی کہ خاکش سبز باد ۔۔۔ "سایہ ابر بہاری کشت را سیراب کرد"

این آن غزل کہ اوحدی خوش کلام گفت ۔۔۔ "اے روشن از رخ تو زمین و زمان ہمہ"

جواب آن غزل ست اینکہ میر شوقی گفت ۔۔۔ "چو شیر از دو طرف می کشند زنجیرم"

این جواب آن غزل صائب کہ فتحی گفتہ است ۔۔۔ از فراموشان مباد، آنکس کہ ما را یاد کرد

صائب این تازہ غزل آن غزل شاپور ست ۔۔۔ "کہ گران می رود آن کس کہ توکل دارد"

جواب آن غزل ست اینکہ گفتہ است مطیع ۔۔۔ "کلیدِ کعبہ و بت خانہ در بغل دارم"

این جواب مصرع اوجی کہ وقتی گفتہ است — بادشاہی عالم طفلی ست یا دیوانگی"

این جواب آن غزل صائب کہ او ہم گفتہ است — "گر نش دامن نگیرم خون من خود مردہ نیست"

جواب آن غزل حاذق ست این صائب — "بہار دیدم و گل دیدم و خزان دیدم"

این جواب آن غزل صائب کہ راقم گفتہ است — "تیغ دایم آب در جوی دارد و خون می خورد"

شعرا مین ہمیشہ باہم رقابت اور حسد ہوتی ہے لیکن میرزا صائب اسکو نہایت ناپسند کرتا تھا، چنانچہ ایک نظم مین باہمی محبت اور اعانت کی ترغیب دی ہے[1]،

خوش آن گروہ کہ مست بیان یکدگراند — زجوش فکر مے ارغوان یکدگراند

نمی زنند بسنگ شکست گوہر ہم — پے رواج متاع دکان یکدگراند

زنند بر سر ہم، گل ز مصرع رنگین — ز فکر تازہ، گل بوستان یکدگراند

سخن تراش چو گردند، تیغ الماسند — زند چو طبع بلندی فسان یکدگراند

بغیر صائب و معصوم نکتہ سنج و کلیم — دگر کہ ز اہل سخن مہربان یکدگراند

صائب اگرچہ تمام اساتذہ بلکہ ہمعصرون کو ادب سے یاد کرتا تھا، لیکن خاص خاص اساتذہ کا نہایت معتقد تھا، سب سے زیادہ خواجہ حافظ کا معترف تھا اور یہ اس کی صحیح المذاقی کی بہت بڑی دلیل ہی، لوگونکے اصرار سے ایک غزل خواجہ حافظ کی غزل پر لکھی، لیکن مقطع مین یہ عذر کیا،

صائب چہ توان کرد بہ تکلیف عزیزان — ورنہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود

ایک اور غزل مین کہتا ہے،

---

[1] سرو آزاد، ذکر معصوم شاعر،

رو است صائب اگر غزل ثانی رہ دعوی — تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی ست

حکیم رکنا اور شفائی کا شاگرد تھا، اس لیے ان دونوں کا نام نہایت ادب سے لیتا ہے،

این آن غزل حضرت رکناست کہ فرمود — "پائے ملخے پیش سلیمان چہ نماید"

در اصفہان کہ بدرد سخن رسد صائب! — کنون کہ نبض شناس سخن شفائی نیست

نظیری کو عرفی سے زیادہ مانتا تھا، چنانچہ کہتا ہے،

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری — عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

یہانتک مضائقہ نہیں، لیکن افسوس ہے کہ عام خوش اعتقادی یا شہرت عام کی بنا پر ظہوری اور جلال اسیر کی بھی مداحی کرتا ہے،

صائب نداشتیم سر دبرگ این غزل — این فیض از کلام ظہوری بما رسید

خوشا کسی کہ چو صائب ز صاحبان کمال — تتبع غزل میرزا جلال کند

بدمذاقی کا یہ پہلا قدم تھا جس نے آخر ایک شاہراہ قائم کر دی، اور نوبت یہ پہونچی کہ آج لوگ ناصر علی، بیدل، شوکت بخاری وغیرہ کے کلام پر سر دھنتے ہیں "دو بینا ظلمہ دجہان اندک بود، ہر کہ آمد بران مزید کرد"،

میرزا صائب نے ہر قسم کی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے قصائد متعدد ہیں ایک چھوٹی سی رزمیہ مثنوی بھی ہے، اور غزل تو اسکا خاص فن ہے، لیکن قصائد اور مثنویاں کم رتبہ ہیں، یہ دونوں چیزیں اس دور سے پہلے ابتر ہو چکی تھیں، اور مرزا بھی اسکی کچھ تلافی نہ کر سکا،

رزمیہ مثنوی کا ایک شعر یاد رکھنے کے قابل ہے،

چنان لرزہ در دشت کین اوفتاد　　　که قارون برون از زمین اوفتاد

میرزا نہایت پُرگو، اور بدیہ گو تھا، جس زمانے مین وہ برہانپور دکن مین تھا، ایک قصیدہ ساٹھ شعرونکا صرف دو پہر مین لکھا، اس قادر الکلامی کے نشہ مین خود کہتا ہے،

هزار حیف که عرفی و نوعی دسنجر　　　نیند جمع بدار العیار برهان پور
که قوتِ سخن و لطف طبع می دیدند　　　نمی شدند بطبع بلند خود مغرور
همین قصیده که یک چاشت ارزد دادمرا　　　ز اهل نظم که گفته است؟ درسنین وشهور

ایک دفعہ اسکے ایک شاگرد نے ایک مہمل مصرع پیش کیا کہ اسپر مصرع لگا دیجیے، مصرع یہ تھا،

از شیشۂ بے مَی، مئے بے شیشہ طلب کن

صائب نے فوراً کہا،

حق را ز دلِ خالی از اندیشہ طلب کن

ایک دفعہ راہ مین چلا جا رہا تھا، ایک کُتے کو بیٹھا ہوا دیکھا، چونکہ کُتا جب بیٹھتا ہے تو گردن اونچی کر کے بیٹھتا ہے، فوراً یہ مضمون خیال مین آیا،[1]

شود ز گوشہ نشینی فزون عزت نفس　　　سگِ نشستہ ز استادہ سرفراز تر ست

فغانی کا مشہور مطلع ہے،

---

[1] کلمات الشعرا سرخوش،

بہ بویت صبحدم نالان بگلگشت چمن رفتم　　نہادم روے بر روے گل از خویشتن رفتم

میرزا نے اسکو یون بدل دیا[1]،

ببویت صبحدم گریان چو شبنم در چمن رفتم　　نہادم روے بر روے گل از خویشتن رفتم

شبنم کی تشبیہ نے شعر مین جان ڈالدی اور دعوے کو پورا ثابت کر دیا۔

میرزا خاضع۔ میرزا صائب کے شاگرد اور سید عبدالجلیل بلگرامی کے ہمنشین تھے، ان کی زبانی منقول ہی کہ ایک دفعہ مین نے میرزا صائب کے سامنے یہ مصرع پڑھا، ع

دویدن، رفتن، استادن، نشستن، خفتن و مردن،

مصرع بالکل مہمل تھا، یعنی چند چیزین بے مناسبت جمع کر دی تھین، میرزا نے پیش مصرع لگا کر عجیب فلسفیانہ مضمون پیدا کر دیا[2]،

بقدر ہر سکون راحت بود، بنگر تفاوت را　　دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

میرزا کی زندگی ہی مین اسکے کلام کو یہ حسن قبول حاصل ہو چکا تھا، کہ سلاطین اور امرا، شاہ ایران سے اسکے کلام کی استدعا کرتے تھے اور تحفہ اور سوغات کی طرح اسکی غزلین بھیجی جاتی تھین[3]

میرزا نے فن سخن کے متعلق ایک بڑا کام یہ کیا، کہ قدما اور متاخرین کا کلام انتخاب کرکے ایک بیاض مرتب کی جو سخنداون کے لیے دلیل راہ کا کام دیتی ہی، میرزا کا اپنا انداز گو خاص ہے اور وہ شاعری کا معمولی درجہ ہی، لیکن چونکہ اسکا مذاق نہایت صحیح تہا، اسلیے بلند اور نادر

---

[1] کلمات الشعرا، [2] ایضا، [3] کلمات الشعرا، سرخوش،

اشعار انتخاب کیے ہین، شعرائے عرب مین ابوتمام ایک مشہور شاعر گذرا ہے جو متنبی کا ہم پلہ خیال کیا جاتا ہے، اس نے ایک مجموعہ انتخاب کیا تھا جو حماسہ کے نام سے مشہور ہے اور فن ادب کی جان ہے، اہل فن کا بیان ہے کہ ابوتمام کی شاعری کا کمال جسقدر اس انتخاب سے معلوم ہوتا ہے، خود اسکے دیوان سے ظاہر نہین ہوتا،

میرزا صائب کے انتخاب کا بھی بعینہ یہی حال ہے، جس شاعر کے جتنے اشعار انتخاب کر دیے ہین، وہی اُسکے تمام دیوان کا عطر ہے،

مین نے اس کتاب کا ایک نسخہ حیدرآباد مین دیکھا تھا، جو خود میرزا کے ایک شوقین شاگرد نے ایران مین نہایت اہتمام سے طیار کرایا تھا، ہر شاعر کے نام کے ساتھ اسکے اشعار کی تعداد بھی ہندسون مین لکھدی ہے، اخیر مین مختصر سی عبارت ہے، جسمین انتخاب کا حال لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل فن اس بیاض کی نقلین لیتے تھے، اور اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے، والہ داغستانی نے ریاض الشعرا مین جابجا اسکے حوالے دیے ہین، مین نے اس بیاض کے تین نسخے دیکھے ہین، جن مین سے ایک خود میرے کتب خانے مین موجود ہے،

میرزا کے لطائف و ظرائف بہت مشہور ہین، جس زمانے مین وہ کشمیر مین تھا، ایک دن ظفرخان کے دربار مین اشعار پڑھ رہا تھا، اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدا بلند تھی، ایک نوخیز نے حسد سے کہا کہ یہ تمام مضامین قدما کے یہان بندھ چکے ہین، موجودہ شاعرونکا یہ کام رہگیا ہے کہ صرف لفظون کو اُلٹ پلٹ کر دیتے ہین، صائب نے برجستہ کہا،

اہل دانش، جملہ مضمونہاے رنگین بستہ اند ہست مضمون نہ بستہ ۔۔۔۔۔۔ شما

چونکہ اتفاقاً شعر حسب حال تھا ظفر خان بے اختیار ہنس پڑا اور میرزا کو انعام دیا،
میرزا نے ایک غزل لکھی تھی جسکا مطلع تھا،

سروِ من طرح نو انداختہ یعنی چہ　　جامہ را فاختہ ساختہ یعنی چہ

ایک مولوی صاحب نے سنا تو فرمایا کہ ردیف غلط ہے، یعنی چہ غائب کا صیغہ ہے
اور مخاطب کے لیے استعمال کیا گیا ہے، میرزا کے سامنے کسی نے تذکرہ کیا، اُس نے کہا
شعر مرا بدرسہ کہ بُرد،

ایک صاحب محمد مراد متخلص بہ لائق جونپور کے رہنے والے تھے، عالمگیر کے زمانے
مین لاہور کی سوانح نگاری پر مامور تھے، آغاز شباب مین انکو شاعری کا شوق پیدا ہوا، میرزا
صائب کی شہرت سنکر ایران کا قصد کیا، اور جوش اعتقاد مین جونپور سے اصفہان تک
پا پیادہ گئے، میرزا نے بھی انکے خلوص وارادت کی بڑی قدر کی، خود اپنے گھر مین مہمان
اُتارا اور ہر طرح کی مہمان نوازی کی، اُن کا بیان ہے کہ مین نے کبھی مرزا کو شعر کے لیے غور
وفکر کرتے نہین دیکھا، لیکن ایک دن خلاف عادت باغ کی روشو پر متفکرانہ ٹہل رہے
تھے، مین نے سبب پوچھا فرمایا کہ فردوسی کا مشہور شعر ہے،

بفرمود تا رخش را زین کنند　　دُم اندر دُم نائے زرّین کنند

شفائی نے اس شعر کا جواب لکھا ہے،

بفرمود تا زین برابرش نہند　　چہ زین ہیمہ بالائے آتش نہند

مین بھی اسکا جواب لکھنا چاہتا ہون، انھون نے کہا کہ اجازت ہو تو مین اس کام کو

انجام دون، تمام رات کی غور و فکر کے بعد صبح کو یہ شعر لکھکر میرزا کی خدمت مین[1] پیش کیا،

بفرمود تا زین بر آدہم نہند ۔ بہ پشت صبا، مسندِ جم نہند

میرزا نے بہت تعریف کی، یہ واقعہ غلام علی آزاد نے ید بیضا مین خودلائق جونپوری کی زبان سے نقل کیا ہی، لیکن قیاس مین نہین آتا کہ صائب شفائی کے شعر کو فردوسی کے مقابلہ مین لائے، اور پھر خود جواب لکھنے کا ارادہ کرے،

کلام پر رائے

میرزا صائب کا خاص انداز تمثیل ہی، تمثیل کا طریقہ پہلے بھی تھا، لیکن صائب نے اس کثرت سے اسکو برتا کہ اسکی خاص چیز ہوگئی، اسکے علاوہ اور شعراء عام مضامین مین تمثیل سے کام لیتے تھے، صائب نے اخلاقی مضامین کے لیے خاص کردیا،

جا بجا خیال بندی، اور مضمون آفرینی بھی پائی جاتی ہی، اور خاص متاخرین کا انداز ہی اگرچہ صائب کے ہان وہ لطیف خیالات اور عشق و محبت کے اسرار نہین پائے جاتے جو عرفی و نظیری کے ہان نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین، تاہم زبان کی فصاحت ترکیب کی بندش، محاورات کا استعمال، ہاتھ سے نہین جانے پاتا، بخلاف و متاخرین کے جن کے کلام کو پڑھکر زبان کی خوبیون کی طرف مطلق ذہن متوجہ نہین ہوتا،

اشعار ذیل ملاحظہ ہون،

خود مگر از در انصاف در آئی ورنہ ۔ جذبہ شوق، حریفِ دلِ خود کام تو نیست

قمریان پاس غلط کردہ خودی دارند ۔ ورنہ یک سرو درین باغ بہ اندام تو نیست

---

[1] ید بیضا،

یعنی قمریون کو اپنی غلط بات کی پیچ آن پڑی ہی ورنہ ایک کو بھی تیرے قد و قامت کا ہمسر نہین

شب، کہ صحبت بحدیث سر زلف تو گذشت | ہر کہ برخاست زجا سلسلۂ پابرخواست
یادگار جگر سوختۂ مجنون ست | لالۂ چند کہ از دامن صحرا برخاست
نہ شبنم ست چمن را برو‌ے آتشناک | عرق زروے تو کردہ است گل بدامن پاک
تو فکر نامۂ خود کن کہ می پرستان را | سیاہ نامہ نخواہد گذاشت گریۂ تاک
دلم بپاکی دامان غنچہ می لرزد | کہ بلبلان ہمہ مستند و باغبان تنہا
چشم عاشق ز تماشاے تو چون سیر شود | ہر نگہ سلسلہ جنبان نگاہ دگرست
کہ گذشت ست ازین بادیہ دیگر کامروز | نبض رہ می طپد و سینۂ صحرا گرم ست
طوفان گل و جوش بہارست بہ بینید | اکنون کہ جہان بر سر کارست نہ بینید
عالم بیخبری طرفہ بہشتے بودہ است | حیف صد حیف کہ ما دیر خبردار شدیم
ہم این جا صلح کن با ما چہ لازم | کہ در محشر ز ما شرمندہ باشی
درین دو ہفتہ کہ چون گل درین گلستانی | کشادہ روے تر از رازہاے مستان باش
تمیز نیک و بد روزگار کار تو نیست | چو چشم آئینہ در خوب و زشت حیران باش
درون خانۂ خود ہر گدا شہنشاہ است | قدم برون منہ از حد خویش سلطان باش
میان نور و ظلمت عالمے دارم نمے دانم | کہ شامم صبح، یا صبح امیدم، شام می گردد
این قدر کز توے چند شود شاد بس ست | زندگانی، بمراد ہمہ کس نتوان کرد

صائب کے تمثیلیہ اشعار چونکہ عام طور پر زبانون پر ہین، اسلیے ہم انکو قلم انداز کرتے ہین،

ابوطالب کلیم

ملک الشعراے شاہجہانی

یہ یگانۂ فن صحیفۂ شاعری کا اخیر ورق ہے، اور اسی کے نام پر شعرالعجم حصۂ سوم کا خاتمہ ہے، ہمدان مین پیدا ہوا، لیکن کاشان مین زیادہ قیام رہا، آغاز جوانی مین شیراز جاکر علوم درسیہ کی تحصیل کی،

جہانگیر کے عہد حکومت مین ہندوستان آیا، امرائے جہانگیری مین شاہ نواز خان صفوی ابن مرزا رستم صفوی ایک مشہور امیر تھا، عالمگیر اور مرزا شجاع اسکے داماد تھے، کلیم نے اول اُس کے دربار مین رسائی پیدا کی لیکن سنہ ۲۸ ہجری مین وطن کی یاد نے بےچین کیا، اس زمانے کا ہندوستان وہ چیز تھی کہ کلیم گو وطن کو جاتا تھا، لیکن حسرتون کا انبار لیے جاتا تھا، اسی حالت مین غزل لکھی جسکے چند شعر یہ ہین،[1]

ز شوق ہند زان سان چشم حسرت بر قفا دارم — کہ رو ہم گر براہ آرم نمے بینم مقابل را

ہندوستان کے شوق مین میری آنکھین اسطرح پشت کیطرف لگی ہوئی ہین کہ سامنے کے رخ پر نظر بھی ڈالتا ہون تو سامنے کا آدمی نظر نہین آتا

اسیر ہندم و زین رفتن بیجا پشیمانم — کجا خواہد رساندن پرفشانی مرغ بسمل را

بایران میرود نالان کلیم از شوق ہمراہان — بپاے دیگران ہمچون جرس طے کردہ منزل را

---

[1] شاہجہان نامہ جلد ثانی صفحہ ۳۵۳ [2] خزانہ عامرہ و سرو آزاد،

اس حالت کے ساتھ وطن مین کیا جی لگتا، دو برس ہی گذرنے نہ پائے تھے کہ پھر ہندوستان واپس آیا، ابکی اسنے میر جملہ شہرستانی کا دامن[1] پکڑا، میر جملہ کو جہانگیر نے دست خاص سے خط لکھکر اصفہان سے بلایا تھا چنانچہ ۱۰۲۷ہجری مین باریاب ہوا، اور دو دنیم ہزاری کا منصب ملا، شاہجہان کے زمانے مین پنجہزاری تک پہونچا کلیم کی شاعری کا اگرچہ سکّہ جمتا جاتا تھا، اسکے سرپرست بھی دربار شاہی مین خاص اعزاز رکھتے تھے لیکن جہانگیر تک اسکی رسائی نہو سکی جسکی وجہ غالبًا یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعرا طالب آملی تھا اور اسکی سامنے کلیم کا فروغ پانا ممکن نہ تھا، اسی سلسلہ مین یہ بات بھی کہنے کے قابل ہو کہ جس سال یعنی ۱۰۲۸ھ مین طالب آملی کو ملک الشعرائی کا خطاب ملا ہی، اسی سال کلیم ایران کو واپس گیا ہی[2] اس سے بدگمان طبعیتین نتیجہ نکال سکتی ہین کہ کلیم کو رشک نے ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا ہوگا،

کلیم کی ناکامیابی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ نورجہان بیگم اسکی شاعری کی معتقد نہ تھی اور اکثر اسکے اشعار پر حرف گیری کیا کرتی تھی، ایک دفعہ کلیم نے ایک شعر کہا اور خوب دیکھ لیا کہ کہین حرف رکھنے کی جگہ نہین، شعر یہ تھا،

زشرم آب شدم کاب را شکستی نیست بحیرتم کہ مرا روزگار چون بشکست

مین شرم سے پانی ہو گیا، حیرت ہو کہ زمانہ مجکو کیونکر توڑ سکا، پانی تو ٹوٹنے کی چیز نہین،

کلیم نے یہ شعر نورجہان بیگم کے پاس بھیجا، نورجہان فورًا بول اٹھی کہ "دیخ بست وپس شکست" یعنی پانی کو پہلے یخ بنا دیا پھر توڑا،[3]

[1] خزانہ عامرہ، [2] سرو آزاد تذکرہ طالب آملی، [3] مراۃ الخیال بعض تذکرون مین یہ واقعہ طالب آملی کیطرف منسوب ہے

معلوم ہوتا ہی کہ کلیم نے دربار مین پہونچنے سے پہلے جابجا خاک چھانی، شاہجہان نامہ مین لکھا ہی کہ وہ دکن مین مارا مارا پھرا، اس کی تصدیق اس سی بھی ہوتی ہی کہ کلیم کا ایک قصیدہ ابراہیم عادل شاہ کی مدح مین بھی ہی، ایک اور قصیدہ سے معلوم ہوتا ہی کہ بیجا پور کے ارادہ سے چلا تھا کہ راہ مین جاسوسی کے شبہہ مین پکڑا گیا اور قلعہ شاہدرک مین قید رکھا گیا،

چنانچہ کہتا ہے،

فلک قدرا بنے پرسی کہ گردون | چرا آزردہ دارا سبے محابا
چرا آزردہ بیمار غمے را | کہ مے آمد بدر گاہِ مسیحا
بعزم سیر بیجا پور گشتم | ہے با اخترے چون دشت پیما
بچنگ راہداران اوفتادیم | چہ گویم تا چہا کردند برما
ہمہ اندر تجسس موشگافان | ہمہ در گنج کاوے ذہن دانا
یکے گوید کہ دزد انند باشند | بزندان چند گہ زنجیر فرسا
دگر گوید کہ جاسوس فلانند | کہ از تفتیش ماگشتند بینا
یکے می گوید اینان را بکاوید | کہ شاید نامۂ گردد ہویدا
زبس تفتیش از ہم می کشودند | اگر در بار ما بودے معما
کنون در چنگ ایشان مبتلایم | نمی دانیم چارہ جز مدارا
زبہر پاس، ہندوہاے باتیغ | چو مواستادہ دایم برسرِ ما
عجب دارم کہ با این منع جادہ | چسان بے خواست آمد تا باینجا

یہ قصیدہ شاہ نواز خان کے نام لکھا ہے اور اخیر مین لکھا ہی،

اشارت کن کہ چون اقبال گردیم بخاکِ آستانت جبہ فرسا

بہر حال رفتہ رفتہ شاہجہان کے دربار مین رسائی ہوئی، اور ملک الشعرا کا خطاب ملا
سنہ ۱۰۴۴ھ مین جب شاہجہان نے کرورروپے کی لاگت سے تخت طاؤسی طیار کرایا اور
آگرہ مین جشن نوروز کے دن اس پر جلوس کی رسم ادا کی تو کلیم نے قصیدہ لکھا،

خجستہ مقدم نوروز و غرۂ شوال فشاندہ اند چہ گلہاے عیش بر سر سال

شاہجہان نے اسکے صلے مین روپے کے برابر تلوایا چنانچہ ۵۵۰۰ روپے وزن مین
آئے اور اسکو عطا کیے،

کلیم شاہجہان کے ساتھ کشمیر گیا تو وہان کی رنگینی اور آب ہوا کی دلاویزی کا
اس قدر شیفتہ ہوا کہ وہین کا ہو رہا، بادشاہ سے درخواست کی کہ مجکو یہین رہنے کی
اجازت دیجائے، مین یہان بیٹھکر اطمینان سے فتوحات شاہی نظم کرونگا، یہ درخواست
منظور ہوئی سنہ ۱۰۵۵ ہجری مین جب شاہجہان پھر کشمیر گیا تو کلیم نے قصیدۂ تہنیت لکھکر
پیش کیا اور خلعت اور دوسو اشرفیان انعام مین پائین سنہ ۱۰۶۱ ہجری مین وفات پائی
غنی نے سال تاریخ لکھا ع

طور معنی بود روشن از کلیم

عام حالات کلیم سخاوت اور شعرا کے نہایت صاف دل، سیر چشم، فیاض طبع تھا
معاصر اور حریف شعرا کی عزت کرتا تھا اور گرم جوشی سے ملتا تھا، میرزا صائب اور میر معصوم

(ابن میر حید رمعمائی) سے خاص محبت تھی، چنانچہ میرزا صائب نے ایک غزل مین اس کا ذکر کیا ہے[۱]،

بغیر صائب و معصوم نکتہ سنج کلیم   دگر کہ زاہل سخن مہربان یکرنگ اند؟

جلال اسیر کا بہت معتقد تھا، چنانچہ کہتا ہے[۲]،

میرزائی ما جلال الدین بس ست   از سخن سنجان طلبگار سخن،
راستی طبعش استاد من ست   کج نہم بر فرق دستار سخن

ملک قمی نے جب انتقال کیا تو کلیم نے قطعہ تاریخ لکھا جسکے چند شعر یہ ہین

ملکِ آن بادشاہ ملک معنی   کہ نامش سکۂ نقد سخن بود
چنان آفاق گیر از ملک معنی   کہ حدِّ ملکش از قم تا دکن بود
بجستم سال تاریخش ز ایام   بگفتا اوسر اہل سخن بود

اکثر شعرائے ایران باوجود اسکے کہ ہندوستان مین آکر خاک سے آسمان پر پہونچے لیکن ہندوستان کو گالیان دیتے ہین، بخلاف ان کے کلیم ہندوستان کا مداح اور افسانہ خوان ہے، ایک قصیدہ کی پوری تمہید ہندوستان کی مدح ہی، اس کا ایک شعر یہ ہے،

توان بہشت دوم گفتنش باین معنی   کہ ہر کہ رفت ازین بوستان پشیمان شد

کلیم نہایت حاضر جواب و مضمون یاب تھا، قیصر روم نے شاہ جہان کو خط لکھا

۱؎ سرو آزاد تذکرۂ میر معصوم، ۲؎ سرو آزاد تذکرۂ جلال اسیر،

کہ آپ صرف ہندوستان کے بادشاہ ہین، شاہجہان کا لقب کیون اختیار کیا ہے؟
شاہجہان کو بھی خیال ہوا کہ یہ غلط بیانی ہے، یمین الدولہ سے کہا کہ کوئی اور خطاب اختیار کرنا
چاہیے، کلیم کو خبر ہوئی، اُسی وقت قصیدہ لکھکر پیش کیا، جس مین لقب کی یہ توجیہ کی[1]

شہ راخطاب شاہجہانی مبرہن ست | ہندوجہان زروے عدد ہر دو چون یکیست

یعنی ہند اور جہان دونون لفظ کے عدد ایک ہین (۵۹) اسلیے شاہ جہان اور
شاہ ہند دونون کہہ سکتے ہین،

خان جہان لودی نے جسکا اصلی نام پیرا تھا جب بغاوت کی اور شکست کھاکر
مقتول ہوا تو اُسکا اور اُس کے شریک بغاوت دریا خان کا سر ایک ساتھ دربار مین آیا
کلیم نے برجستہ رباعی کہی۔

این مژدہ کہ فتح از پے ہم زیبا بود | این کیف دو بالا چہ نشاط افزا بود
از کشتن دریا سر پیرا ہم رفت | گویا سر او حباب این دریا بود

شاعری کلیم نے شاعری کی تمام صنفون کو لیا ہے، قصائد کثرت سے ہین کئی مثنویان
ہین، غزلونکا دیوان الگ ہی، مثنوی مدت سے اپنے پایہ سے گرچکی تھی کلیم کی مثنویان
بھی کم رتبہ بلکہ عامیانہ ہین، اتنی بات ہی کہ وہ نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون پر نظم لکھتا ہے
دا کثر شعرا کے نزدیک یہ بھی ابتذال مین داخل ہی، مثلاً انگوٹھی، قلمدان، کشتی، بندوق

[1] کلمات الشعرا سرخوش، لیکن سرخوش نے دوسرا مصرع جس طرح نقل کیا ہی دیوان مین نہین، اسلیے
مین نے دیوان کے مطابق نقل کیا ہی،

وغیرہ وغیرہ، سب کی شان مین قطعات اور رباعیان لکھی ہین،

ایک دفعہ گرمی دانے نکلے، اس پر ایک بڑا قطعہ لکھا، تپ آگئی، اس پر بھی نظم لکھدی، اسی جزئی واقعہ نگاری کا اثر ہی کہ اور ایرانیون کے برخلاف، ہندوستان کے بہت سے پیشون، صنعتون، پھولون اور پھلون کے نام لکھدیے ہین جن کا نام بھی زبان قلم پر لانا اور شعر اگناہ سمجھتے تھے، عرفی عمر بھر ہندوستان مین رہا، لیکن عمر بھر مین صرف ایک ہندی لفظ جھگڑ زبان سے نکلا، وہ بھی اس طرح بدلکر کہ گویا فارسی ہی، طالب آملی نے رام رنگی ایک شعر مین باندھ دیا، اسکو لوگون نے تعجب سے دیکھا، لیکن کلیم سیکڑون ہندی الفاظ بولتا چلا جاتا ہے، مثلاً

منہ بر وعدۂ تنبولیان دل — کہ جز خون خوردن ازوی نیست حاصل

زحسن شستۂ دھوبی چگویم — ازان بے پردہ محبوبی چگویم

غرور حسن با جہل پٹھانی — چو گرد و جمع نتوان زندگانی

بتان راجپوت و شیخ زادہ — شکیب عاشقان برباد دادہ

چہ چنبہ شعلۂ شمعے ست بے دود — کہ آتش می زند در خرمن عود

ز مورونان نظر دریوزہ دارم — کہ وصف مولسری را برنگارم

گل گڈھل نہ فہمیدست موسم — شگفتہ چون رخ یارست دایم

نہال نیمش از بس خوش نسیم ست — دل طوبی ز رشک آن دو نیم ست

جو قابل ذکر واقعات اسکے زمانے مین پیش آئے، سب پر اسنے کچھ نہ کچھ لکھا ہے،

عالمگیر شہزادگی کے زمانے مین جب اس کی عمر ۱۴ برس کی تھی، مست ہاتھی سر لڑا تھا، جس کی کیفیت یہ ہے کہ شاہجہان ہاتیون کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، شہزادے بھی گھوڑون پر سوار تماشے مین مصروف تھے، عالمگیر قریب سے دیکھنے کے لیے جوش شجاعت مین گھوڑے کو آگے بڑھائے جاتا تھا، ایک ہاتھی حریف کو چھوڑ کر عالمگیر پر جھپکا، عالمگیر نے پیشانی کو تاک کر برچھا مارا ہاتھی نے غصہ مین آکر گھوڑے کو دانتون مین دبالیا، عالمگیر زمین پر آیا، لیکن جھٹ پٹ اُٹھکر ہاتھی پر حملہ آور ہوا، اِدھر راجہ جے سنگہ نے بڑھکر پے درپے برچھے کے وار کیے، ساتھ ہی مقابل کا ہاتھی آپہونچا، اور یہ ہاتھی بھاگ نکلا شاہجہان نے عالمگیر کو گود مین لیکر پیار کیا اور اشرفیون مین تُلوا کر اشرفیان خیرات کین[1]،

کلیم بھی اس واقعہ مین موجود تھا، چنانچہ ایک قطعہ اور ایک مثنوی مین اس واقعہ کی پوری کیفیت لکھی، مثنوی یہ ہے،

بہمانِ گوش ارباب ہوش — یکے قصہ دارم من دارگوش
حدیثے سراسر بیان وقوع — بگویم بتہ از زبان وقوع
ز مردم من این نقل نشنیدہ ام — من از دل شنیدم دل از دیدہ ام

ابتدائی واقعات لکھ کر کہتا ہے،

دوید از قضا آن دو فیل مُہیب — یکے سوے شہزادہ اورنگ زیب
بمردی زجا یک سرمو نہ شد — زراہ چنین سیل یک سو نہ شد

[1] شاہجہان نامہ، واقعات ۱۰۴۲ہجری،

یکے نیزۂ برق ساں تافتہ | نظر از رگِ غیرتش باختہ
ز قدرت چنان زد بہ پیشانیش | کہ جست از قفا برق رخشانیش
دران کوہ پیکر نہان شد سنان | دگر بار در رفت آہن بہ کان
ز خرطوم انداخت پیچان کمند | فتاد اسپ شہزادہ در پیل بند
گرفت اسپ و شہزادہ بروے سوار | ز بیم آب شد زہرۂ روزگار
چو در اسپ سامانِ جولان ندید | چو شہبانے از خانۂ زین پرید
ہمان دم کہ بر خاک پا را فشرد | روان دست جرأت بشمشیر برد
علم کردہ شمشیر بروے دوید | کزان سوے فیل غنیمش رسید
درین سن اگر بودے افراسیاب | ہمی گشت از دیدن فیل آب
در آغاز و انجام آن گیر و دار | ہمی دید شاہنشۂ کامگار
ازان شیر دل چون بدید آن جگر | بفرقش بیفشاند گنج و گہر
نظر کردۂ شاہ آفاق شد | بمردانگی در جہان طاق شد

قصائد قصیدہ مین حاجی محمد جان قدسی کا انداز ہی، یعنی عرفی اور نظیری کی پیچدار اور مشکل بندشین صاف کردین، اور مبالغہ اور حسن تعلیل کو وسعت دی لیکن اسکے ساتھ قصیدہ کی متانت، زور اور بلندی کم ہوگئی اور غزلیت کا رنگ غالب آگیا،

جس چیز کو لوگ مضمون آفرینی کہتے ہین، کلیم کے یہان اسکی اسقدر بہتات ہی کہ ہر قصیدہ گویا مضامین کا ایک انبار ہی، قصائد کی تمہید اکثر اصلی واقعات سے شروع کرتا ہی، مثلاً موسم کی

گرمی، اور سردی، یا سفر کی سختی پہاڑون کی دشوار گذاری، لیکن خیالی مضمون آفرینیان کرکے ایک طلسم بنا دیتا ہی، جسکو واقعیت سے کچھ علاقہ نہین ہوتا، تاہم جستہ جستہ انھین مین ایسے شعر بھی نکل آتے ہین جو شاعری کی جان ہین، مثلاً ابر و بہار،

سحاب از تیر باران بہاری | بہ بستان جملہ گلہا را نشان کرد
بنوعے آتش گل در گرفت ست | کہ بلبل رفت و در آب آشیان کرد

دگر بہار جہان را چنان گلستان کرد | کہ شوقِ سیر چمن، سرو را خرامان کرد
چو دام دار تہیدست از خجالت ابر | بزیر سبزہ، زمین روی خویش پنہان کرد
نقرہ
ز نازکی نتوان غنچہ را ز گلبن چید | گل حباب بیار دکسے بدامان کرد
نازکی کیوجہ سے کوئی شخص کلی کو توڑ نہین سکتا | جس طرح حباب کا پھول دامن مین نہین لیا جا سکتا
چراغ روز، مگو بے فروغ می باشد | بہ بین کہ لالہ در و دشت را فروزان کرد
یہ نہ کہو کہ دن کے چراغ مین روشنی نہین ہوتی | دیکھو لالہ نے کس طرح صحرا کو روشن کر دیا ہے

اگر ز عالم بالا نوید رحمت نیست | بخاک این ہمہ باران چہ می بری پیغام
سرود محفل مستان مگر دمے بشنود | نہادہ ابر بہر خانہ، سینہ برلب بام
شگوفہ، پیرہن تر بشاخ اگرچہ فگند | ندید پر تو خورشید را درین ایام

سردی کی شدت،

خورشید دگر نقاب دارست — انگیٹھی منقل، معشوق در کنارست

محراب جہانیان بخاری ست — تسبیح خلائق از شرارست

چون آئینہ بستہ شد نفسہا (آتشدان) — دل از دمِ سرد سنگ سارست

یخ بر سر کوچہ بندی آمد — نہ راہ پیادہ نے سوارست

گوئی تو، کہ پنبہ اش زبرف است — پوشش برتن اگر ہزارست

مرغابی ہمچو نقش ابرے — بر کاغذ یخ بہ یک قرارست

ماہی در یخ میان جدول — چون موج بہ تختۂ چنارست

اس زمانے مین قصائد کا کمال صرف مبالغہ، تشبیہ، حسن تعلیل اور مغالطہ شعری پر محدود تھا اور اس مین شبہہ نہین کہ یہ اوصاف کلیم کے قصیدون مین نہایت افراط، اور نہایت وسعت کے ساتھ پائے جاتے ہین، اسکے یہان ترکیبون کا سلجھاؤ، روزمرہ کی صفائی محاورات کی برجستگی، شستگی اور روانی بھی اس حد تک ہی کہ اسکے ہم عصرون مین نہین ہے، طالب آملی سے وہ جدت استعارات اور شوخی مین کم ہی، لیکن اوراوصاف مین اُس سے بہت آگے ہی، بعض بعض قصیدون کے مسلسل اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین، جس سے اسکا اندازہ ہو گا،

درآستان جلالش عصائے دربان را — فلک زسدرۂ رضوان زشاخ طوبیٰ داد

کف سخاش غلط بخش نیست ہمچو سحاب — سحاب ہرچہ بدریا فشاند بیجا داد

فراستش بخبر گیری ممالک رفت — چو باز گشت خبر زآشیانِ عنقا داد

بہ تیرِ امرش حکم نفاذ داد آن کس — کہ دلبری بکمان ابروان رعنا داد
نمود خاکِ درش را کہ توتیا این ست — خدا نخست بہر کس کہ چشم بینا داد
چو خسروان کہ اسیر غنیم باز دہند — کفِ عطاش گہر را دگر بدریا داد

یعنی جس طرح بادشاہ، دشمن کے قیدیون کو واپس کر دیتے ہین، ممدوح نے موتی دریا کو واپس دے دئے

گردون نشاط کودکے از سر خیان گرفت — کانگشتر کواکبش، از سر توان گرفت

آسمان اس قدر طفلانہ خوشی مین مصروف ہے کہ چاہین تو اُس کے ہاتھ سے ستارون کے چھلّے اُتار لین اور اسکو خبر نہو،

از شیشہ، استفاضہ انوار می کنند — عالم تمام مذہب اشراقیان گرفت
اکنون ہجوم کام بود مانع وصال — گل پُر شد آنچنان کہ در بوستان گرفت

اب مقصد کا ہجوم ہی وصال کا مانع ہے — پھول اس قدر پھٹ پڑے ہین کہ باغ کا دروازہ رک گیا

زین سان کہ روزگار جوانمرد خوش ادا ست — تاوانِ عمر رفتہ توان از جہان گرفت
این روے تازہ کہ جہان را نمود رو — گوئی زگرد موکب شاہجہان گرفت

مدحیہ مضامین ہزارون دفعہ پامال ہو چکے ہین اسلیے کسی شاعر کی زور طبع اور جدّت آفرینی کا اندازہ کرنا ہو تو خاص ان موقعون کو پیش نظر رکھنا چاہیے کلیم اگرچہ مدح سے بچتا ہے یعنی طبیعت کا اصلی زور، بہار وغیرہ کی تمہید مین صرف کر دیتا ہے تاہم اسکی جدّت آفرینیان استعجاب کے قابل ہین،

بعہدش آنچنان در خواب امن است		که باید پاسبانے پاسبان را

اُسکے زمانہ مین لوگ اس قدر چین سے پڑے سوتے ہین کہ خود پاسبان کیلیے ایک پاسبان درکار ہے

بملکش راہ زن مانند جادہ		بمنزل می رساند کاروان را

اس کی سلطنت مین خود راہزن، راستہ کی طرح قافلہ کو منزل تک پہونچا دیتا ہی،

بعہد عدل او واپس ستاند		چمن از خاک زرہاے خزان را

کفش پرداخت کانِ گوہر و زر		فلک برچید آخر این دکان را

درون شیشۂ افلاک بیند		بسانِ مے، فضاے آسمان را

ز حرف رفعتِ شانش قلم بخود لرزد		بہ احتیاط، قدم می نہند در کہسار

دلش غبار خلائق نکردہ است قبول		نگیرد آئینۂ آفتاب را زنگار

سخن بگفتن اول بہ نزد فطرت او		عجب مدار کہ معیوب گردد از تکرار

بروزگارش ناراستی برفتادہ است		بغیر سیل نیابی بہ دہر کج رفتار

گناہِ عالمیان گر ہمہ صدا گردد		ز کوہ حلمش آواز نشنوی یکبار

غزل | کلیم کا اصلی کمال غزل گوئی ہی، غزل مین اسکے پیش رؤن نے خاص خاص باتین پیدا کی تھین، مثلاً، عرفی نے فلسفہ، نظیری نے تغزل، طالب آملی نے شوخی استعارات، وحشی اور میلی نے معاملہ بندی کلیم کے ہان گو تغزل کے سوا اور سب کچھ ہی لیکن اُسکا خاص رنگ مضمون بندی اور خیال آفرینی ہی، مثالیہ جو صائب کا خاص انداز ہی اُسکی ابتدا بھی کلیم ہی نے کی فلسفہ مین وہ بہت دقیق باتین پیدا نہین کرتا لیکن اس عنوان پر اُسنے جو کچھ لکھا ہے

جمع کیا جائے تو اچھا خاصہ فلسفہ ہو جائے گا غزل مین اسکے خصوصیات کو ہم الگ الگ عنوان کے ذیل مین لکھتے ہین،

مضمون آفرینی اور خیال بندی جس چیز کو لوگ مضمون آفرینی کہتے ہین اسکی تحلیل کیجائے تو وہ یا کوئی نیا استعارہ یا تشبیہ ہوتی ہی، یا کوئی انوکھا مبالغہ ہوتا ہی، یا کوئی شاعرانہ دعوی ہوتا ہی جو درحقیقت صحیح نہین ہوتا، لیکن شاعر اس کا مدعی ہوتا ہی اور شاعرانہ استدلال سے ثابت کرتا ہے اسی کو حسن تعلیل بھی کہتے ہین، یہ سب باتین کلیم کے ہان نہایت اعلی درجہ پر پائی جاتی ہین مثلاً

بسکہ زدیدہ ریختم خون دل خراب را — گریہ گرفت در حنا پنجۂ آفتاب را

مین نے اسقدر خون آنکھون سے بہایا کہ میرے آنسوؤن نے آفتاب کے پنجہ مین مہندی لگا دی

می نہم در زیر پاے فکر کرسی از سپہر — تا بکف می آورم یک معنی برجستہ را

فکر کے پاؤن کے نیچے آسمان کی کرسی رکھ لیتا ہون، تب ایک برجستہ مضمون ہاتھ مین آتا ہی،

سپہر دون در فیض آنچنان ببست در عالم — کہ سیلاب بہاری تر نمی سازد لب جو را

آسمان نے فیض کا دروازہ اسطرح بند کر لیا ہی، کہ بہار کا سیلاب نہر کے لب بھی تر نہین کر سکتا،

حدیث بحر فراموش شد کہ دوراز تو — زبس گریستہ ام، آب بردہ دریا را

لوگ دریا کی کہانی بھول گئے اس لیے کہ مین اس قدر رویا کہ دریا کو پانی بہاے گیا،

شعلہ برمی خواست از بیطاقتی و می نشست — من نہ جنبیدم ز جا تا جا بہ گلخن داشتم

شعلہ بے صبری کی وجہ سے اٹھ اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، لیکن مین جب تک آگ مین رہا ذرا جنبش نہین کی،

خونِ دل ہا روبکمی کردز سوزِ تپِ ہجر — آن قدر نیست کہ یک آبلہ راآب دہد

شراب کہنہ می نوشم بہ بزم او چو بنشینم — بمن تا نوبت آید دخترِ رز پیری گردد

زان برق حسن کا فتِ ہر گوشہ گیر شد — آتش در آشیانۂ عنقا گرفتہ است

یک ہمدم درین شبِ تاریک نخورد — چون آفتاب دست بدیوار می کشم

اِس شبِ تاریک مین مجکو کوئی رہنما نہین ملا، آفتاب کی طرح مین دیوار پکڑکر چلتا ہون،

مثالیہ | مثالیہ مضامین پہلے بھی خال خال پائے جاتے تھے امیر خسرو کا مشہور قصیدہ، سراپا اسی صنعت مین ہی، لیکن کلیم، میرزا صائب اور غنی نے گویا اسکو ایک خاص فن بنا دیا، چونکہ یہ تینون شاعر کشمیر مین مدت تک ساتھ ہمدم و ہم قلم رہے تھے اور باہم مشاعرے رہتے تھے، اس لیے قیاس یہ ہی کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جولانگاہ بنا دیا، علی قلی سلیم بھی مثالیہ مین کمال رکھتا ہی اور اسکی بھی وجہ شاید یہی ہو کہ سلیم بھی یہین (کشمیر) مین مدفون ہی،

بہر حال کلیم نے اس صنف کو بہت ترقی دی، اسکے اکثر دعوے فی نفسہ صحیح ہوتے ہین لیکن استدلال شاعرانہ ہوتا ہی، بعض جگہ دعوے اور دلیل دونون خیالی ہوتے ہین اور وہان شاعرانہ تخئیل زیادہ پائی جاتی ہے مثلاً،

جز سوزِ عشق نیست سراسر بیانِ ما — چون شمع یک سخن گذرد بر زبان ما

مرا مسوز کہ نازت ز کبریا افتد — چون خس تمام شود شعلہ ہم ز پا افتد

مجکو نہ جلاؤ ورنہ تمھارا غرور بھی جاتا رہیگا۔ جب خس جل چکتا ہے تو شعلہ بھی بجھ جاتا ہی،

روشن دلان خوشامد شاہان نگفتہ اند — آئینہ عیب پوشِ سکندر نمی شود

مدعی گر طرف ما نشود، صرفۂ اوست　　زشت آن بہ کہ بہ آئینہ برابر نشود

دشمن اگر ہمارا مقابلہ نہ کرے تو اس مین اسی کا فائدہ ہی، بدصورت کے حق مین یہی بہتر ہی کہ آئینہ کے سامنے نہ آئے،

مقبول روزگار نگشتیم و انیم　　مارا کہ بر نداشتہ، چون بر زمین زند

در محفلے کہ تازہ در آئی گرفتہ[۵۱] باش　　اوّل بہ باغ، غنچہ گرہ بر جبین زند

در روزگار دیدم اندر استی نشان نیست　　صبحش کہ صادق آمد، در شیر آب دارد

زمانہ مین سچائی کہین نہین پائی جاتی، صبح صادق کو، صادق کہتے ہین لیکن وہ بھی دودھ مین پانی ملاتا ہی، صبح کی روشنی کو پانی سے تشبیہ دی ہی،

قطع امید کردہ، نخواہد نعیم دہر　　شاخ بریدہ را نظرے بر بہار نیست

روشندلان، حباب صفت دیدہ بستہ اند　　روزن چہ احتیاج، اگر خانہ تار نیست

روزگار اندر کمین بخت ماست　　دزد دایم در پے خوابیدہ است

پامال حوادث، نتوانم کہ نباشم　　چون نقش قدم، خانۂ من بر سر راہ است

وارد اگر صفائے دل از شراب دارد　　روشن تر است شیشہ و قتیکہ آب دارد

دل مین صفائی آتی ہی تو شراب سے آتی ہے، شیشہ مین جب پانی ہوتا ہی تو زیادہ چمکتا ہی

صبر گوارا کند ہر چہ ترا ناخوش است　　ساعتے از کف بنہ، آب گل آلود را

ناگوار چیز بھی صبر کرنے سے گوارا ہو جاتی ہی، پانی گرد آلود ہو تو ذرا ٹھہر جاؤ گرد نیچے بیٹھ جائے گی،

---

۵۱ گرفتہ یعنی اپنے آپ کو لیے ہوے جس سے بظاہر رُکھائی محسوس ہو،

کینہ بر وعدہاے بخت ناتوان دوختن　　خفتہ گر در خواب حرفی گفت ازان آگاہ نیست

دل گمان دارد کہ پوشیدہ است راز عشق را　　شمع را فانوس پندارد کہ پنہان کردہ است

دل آگاہ مے باید و گر نہ　　گدا یک لحظہ بے نام خدا نیست

می پذیرند بدان را طفیل نیکان　　رشتہ را پس ندہد[۱] آن کہ گہری گیرد

چون خس و خاشاک سیلاب انیم از گمرہی　　پا بدوش راہبر دایم بمنزل میروم

ہمکو سیلاب کے خس و خاشاک کی طرح گمرہی کا ڈر نہین، اس لیے کہ ہم خود رہنما کے کندھو پر سوار ہوکر سفر کرتے ہین، یہ ظاہر ہے کہ خس و خاشاک کا رہنما سیلاب ہی ہے اور خس و خاشاک سیلاب ہی کے کاندھے پر سوار ہین،

نام و نشان ز عشق بغیر از ہوس نماند　　از سیل رفتہ خار و خسے یادگار ماند

از خاک برگرفتۂ دوران[۲] چونے سوار　　دایم پیادہ رفت اگرچہ سوار شد

از ہنر حال خرابم نشد اصلاح پذیر　　ہمچو ویرانہ کہ از گنج خود آباد نشد

ہنر اور علم نے میری حالت کی اصلاح نہ کی، جس طرح ویرانہ کو خزانہ نے اوس کو آباد نہ کیا،

اقلیم دل بہ زور مسخر نمی شود　　این فتح بے شکست میسر نمی شود

چرخ از بہر تو در کار بود حرص تو چیست　　آسیا از پے رزق دگران بر گردد

سفلہ ز قرب بزرگان نکند کسب شرف　　رشتہ پر قیمت از آمیزش گوہر نشود

دست ہر کس را لبان سجہ بوسیدم چہ سود　　ہیچ کس نکشود آخر عقدۂ کار مرا

۱ پس دادن، واپس دینا، ۲ یعنی جس کو زمانہ نے بلند کیا ہوا،

با من آمیزش او الفت موج ست و کنار　　دمبدم با من و پیوسته گریزان از من

چو هست قدرت دست و دل توانگر نیست　　صدف کشاده کف است آن زمان که گوهر نیست

وضع زمانه قابل دیدن دوباره نیست　　رو پس نکرد هر که ازین خاکدان گذشت

مڑ کر نہ دیکھا

بخضرم احتیاج نیست گر این است گمراهی　　که کوران را عصا هم می تواند راهبر باشد

نه هر که صدر نشین شد عزیز شد که غبار　　اگر بدیده رسد، توتیا نخواهد شد

واصل[۱] ز حرف چون و چرا بسته است لب　　چون ره تمام گشت، جرس بی زبان شود

شیطان چه تمتع برد از اهل تجرد　　رهزن چه درین بادیه ز ریگ روان یافت

تمام نسل بزرگان اگر نکو باشند　　ز بحر زاده، تنک ظرفی حباب چراست

گر بقسمت قانعی، بیش و کم دنیا یکیست　　تشنه چون یک جرعه خواهد کوزه و دریا یکیست

پست فطرت، هوس گوشه عزلت نکند　　تا گدا بر سر ره نیست، دلش خرم نیست

امروز چراغ اهل فقرم　　چون فانوسم، و پیرهن نیست

خاکساران بیشتر از فیض قسمت می برند　　کلبه دیوار کوتاهان پر از مهتاب بود

چشم از جهان به بستم نور دلم فزود　　روشن شده است خانه، چو روزن گرفته[۲] ام

قوت تخیل

اکثر لوگون کے نزدیک شاعری صرف قوت تخیل کا نام ہی، اور اگر یہ صحیح ہے تو کلیم ہمہ تن شاعری ہی، اس کا ہر شعر قوت تخیل کا ایک منظر ہی، شاعر کو تمام عالم اور عالم کے تمام واقعات، قوت تخیل کی وجہ سے ایک اور ہی صورت مین نظر آتے ہین، مثلاً ہو لوگ کہ زو سے

[۱] یعنی جو شخص مدارج معرفت طے کر کے منزل تک پہونچ گیا ہو [۲] یہان گرفتن کے معنی بند کر نیکے ہین،

پھول کا ایک پتہ ٹہنی سے ٹوٹ کر پانی مین گر پڑا - یہ ایک معمولی واقعہ ہی لیکن شاعر کو قوت تخئیل سے نظر آتا ہی کہ یہ بہار کے حُسن کا دفتر ہے اور چونکہ معشوق کے حُسن کے سامنے اسکی قدر نہین ہوسکتی اس لیے بہار نے اس دفتر کو پانی سے دھو ڈالنا چاہا ہے،

دفترِ حُسنِ بہار ست، کہ در عہد تو شُست   برگ گل نیست کہ از باد، در آب افتادہ است

کلیم کے کلام کو دیکھو تو صاف نظر آتا ہی کہ مناظر عالم کی ایک ایک چیز پر اُسکی نظر پڑتی رہتی ہے اور قوت تخئیل سے یہ چیزین اسکے سامنے نئے نئے رنگ مین جلوہ گر ہوتی رہتی ہین

وہ اندھیری راتون مین گھبراتا ہے اور اس کو نظر آتا ہے کہ ستارون کے چراغ مین روغن نہین رہا،

بعد ازین تاریکیِ شبہا بخود خوش کن کلیم   شکوہ کم کن، در چراغ اختران روغن نماند

حکما کہتے ہین کہ عالم کا آغاز اور انجام معلوم نہین کلیم کی نظر مین قوت تخئیل سے عالم ایک پُرانی کتاب بن کر نظر آتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اوّل و آخر کے ورق گر گئے ہین،

ما ز آغاز و ز انجام جہان بیخبریم   اوّل و آخر این کہنہ کتاب افتادہ است

محتسب کی دار و گیر نے میخانے برباد کر دیے، لیکن کلیم یہ کہتا ہی کہ معشوق کی آنکھین میکدہ ہین اور اسکی مستی کے آگے شراب کی قدر نہین اس لیے کوئی شخص میخانون کی طرف رُخ نہین کرتا اور وہان خاک اُڑنے لگی، اس کے نزدیک یہ محتسب کی کارگذاری نہین، بلکہ محتسب معشوق کی آنکھ کا ممنون ہے،

شکر چشم تو کند، محتسب شہر کرد ہر کجا میکدۂ ہست خراب اُفتادہ ست

بہار مین ہر شخص چاہتا ہے کہ سب سے پہلے پہونچکر لب جو پر قبضہ کرے کلیم کی وسعت تخیل دیکھو، وہ سبزہ سے بھی پہلے، لب جو پر قبضہ کرنا چاہتا ہے،

در بہاران جائی افتد بدست کس بباغ پیشتر از سبزہ می باید کنارِ جو گرفت

بہار مین کسی کو جگہ باغ مین نہین ملتی، اس لیے سبزہ سے بھی پہلے چل کر لب جو پر قبضہ کر لینا چاہیے۔

صبح کے وقت کلیون کی شگفتگی ہر شخص کو لطف دیتی ہے، لیکن دیکھو کلیم اس کو کس نظر سے دیکھتا ہے،

شیرینی تبسم ہر غنچہ را مپرس در شیر صبح، خندۂ گل ہا شکر گذاشت

کلیون کی شیرینی تبسم کا لطف نہ پوچھو، پھولون کی ہنسی نے صبح کے دودھ مین شکر گھولدی

سب لوگ کہتے آئے ہین کہ آسمان قابل آدمیون کا دشمن ہے کلیم کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ آسمان کو قابل اور نا قابل کی تو تمیز ہی نہین، قابل آدمیون کو پہچانتا کیونکر ہے کہ خاص انہی کو ستاتا ہے،

حیرتے دارم کہ گردون چو بدانایان بدست آدکہ نتواند میان نیک و بد تمیز کرد

آگ کی لو اکثر اونچی ہو ہو کر کم ہو جاتی ہے کلیم کو نظر آتا ہے کہ شعلہ مین ضبط کی طاقت نہین، اس لیے بیقراری کی وجہ سے اُٹھ اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، اس کے مقابلہ مین اپنے سکون اور استقلال پر فخر کرتا ہے،

شعلہ بر می خواست از بے طاقتی و می نشست من نہ جنبیدم ز جا تا جا بہ گلخن داشتم

مرکر کوئی زندہ نہین ہوتا، کلیم کو اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ کوئی شخص دوبارہ اسکے دیکھنے کیطرف رخ نہین کرتا،

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست　　رو پس نہ کرد، ہر کہ ازین خاکدان گذشت

رہ نوردی مین پانؤن مین چھالے پڑگئے ہین، انھین مین کانٹے بھی چبھتے جاتے ہین کلیم سمجھتا ہے کہ یہ انگلیان ہین، اور راستہ، ان انگلیون سے میرے چھالون کا حساب لے رہا ہے،

دارم رہے بہ پیش کز انگشت خار با　　از من حساب آبلۂ پا گرفتہ است

کلیم اُن مضامین مین جو مدتون سے جولانگاہ خیال ہین ایسے نکتے پیدا کرتا ہے جن کی طرف کسی کا خیال نہین گیا،

مثلاً یہ عام اعتقاد ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیر سے ہوتا ہی، کلیم کہتا ہے،

این قدر فرق میان خط یک کاتب چیست　　سر نوشت ہمہ گر از قلم تقدیر ست

اگر سب کی سرنوشت تقدیر ہی نے لکھی ہے تو ایک کاتب کے خط مین اس قدر فرق کیون ہی کہ ہر شخص کی تقدیر الگ الگ ہی،

جنون اور صحرانوردی کا مضمون سب باندھتے آتے ہین کلیم باوجود ادعاے جنون کے صحرانوردی اختیار نہین کرتا اور اس سے جنون کا زیادہ زور ثابت کرتا ہے،

اگر بہ بادیہ گردی نمی روم، چہ عجب　　جنون من نہ شناسد ز شہر صحرا را

مین اگر صحرا مین نہین جاتا تو تعجب کیا ہی　　میرا جنون، شہر اور صحرا مین تمیز نہین کر سکتا

اس مین صحرانوردون پر چوٹ بھی ہی کہ پورا جنون ہوتا تو انکو شہر اور صحرا کی تمیز کیونکر ہوتی کہ جب بھاگتے تو صحرا ہی کی طرف بھاگتے،

عنقا کا تجرد اور ترکِ تعلقات عام مضمون ہی، کلیم اسکے تجرد کو ناتمام سمجھتا ہے،

درکیشِ ما تجرد عنقا تمام نیست — در فکرِ نام ماند، اگر از نشان گذشت

زمانہ کے انقلاب پسندی کے سب مدعی ہین، کلیم کو اس پر تعجب ہے کہ پھر میری حالت کیون نہین بدلتی،

ز انقلابِ سپہر دورد، عجب دارم — کہ بیقراری ما را بہ یک قرار گذاشت

باغبان اور گلچین ہمیشہ پھول توڑتے ہین، کلیم کلیون کا توڑنا ثابت کرتا ہے اور اس کی کس قدر عمدہ توجیہ کرتا ہے،

در گلستان، بہ یاد دہانِ تو غنچہ را — امسال، باغبان ہمہ نشگفتہ چیدہ بود

باغبان کو تیرا دہن یاد آیا، تو اس نے — ابکی سال تمام پھول بن کھلے توڑ لیے

حسنِ اخلاق کی بڑی دلیل، لوگون کے نزدیک قبول عام ہی، یعنی جب آدمی کے اخلاق عمدہ ہوتے ہین جب ہی مقبول عام ہوتا ہی، کلیم کہتا ہی نہین بلکہ نفاق سے یہ درجہ حاصل ہوتا ہی کیونکہ ظاہرداری کے بغیر حسن قبول نہین حاصل ہوسکتا، اور ظاہرداری درحقیقت نفاق ہی

پسند خاطر یک تن نیم چہ چارہ کنم — کہ بے نفاق بہ یک دل نمی توان جا کرد

جو لوگ بیقاعدہ کام کرتے ہین اُنکی بے قاعدگی اس قدر پختہ ہوتی ہے کہ کبھی بھول کر بھی کوئی کام باقاعدہ نہین کرتے، کلیم اس سے یہ نتیجہ پیدا کرتا ہی کہ وہ بیقاعدہ نہین کیونکہ

ان کی بے قاعدگی باقاعدہ ہے، اس خیال کو ایک شاعرانہ پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

گامے، بہ غلط ہم سوے مقصود نہ رفتیم　　　گویا رہِ آوارگیم، راہبرے داشت

ہم بھول کر بھی کبھی مقصد کی طرف ایک قدم نہین گئے معلوم ہوتا ہے کہ آوارگی کے راستہ مین ہمارا کوئی رہبر تھا،

زاہد کی صد دانہ تسبیح پر شعرا اعتراض کیا کرتے ہین، لیکن کلیم اس کی ضرورت ثابت کرتا ہے،

دانۂ بسیار در کار ست، بہرِ صید خلق　　　حق بدست زاہدست، ار سبحہ را صد دانہ ساخت

راہ طلب مین منزل مقصود کے رخ پر چلا جانا اور اِدھر اُدھر مڑکر نہ دیکھنا مستحسن خیال کیا جاتا ہے لیکن کلیم کہتا ہے،

طلب شاہد مقصود زہر سو شرط ست　　　ہر قدم در رہِ او، رو بقفا باید کرد

شاہد مقصود کو ہر رخ سے ڈھونڈنا ضروری ہے اسلیے اس راہ مین ہر قدم پر مڑکر بھی دیکھنا چاہیے،

روزمرہ او، محاورہ

اس زمانہ مین اگرچہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کا استیلا نے زبان اور محاورہ بندی کی طرف سے شعرا کو غافل کر دیا تھا، چنانچہ ناصر علی، غنی، بیدل، اسی چکر مین پڑکر لطف زبان سے بیگانہ ہو گئے، لیکن کلیم باوجود انتہا درجہ کی نازک خیالی کے یہ سررشتہ ہاتھ سے نہین چھوڑتا وہ ہمیشہ نئے مضامین پیدا کرنے کی فکر مین مصروف رہتا ہے لیکن یہ نہین بھولتا کہ وہ ایرانی ہے، ہندی نہین، اسلیے روزمرہ کے علاوہ، اکثر ٹھیٹ محاورے برتتا ہے جن کو عام آدمی فرہنگ کے بغیر سمجھ بھی نہین سکتے، مثلاً

باعارض تو چہرہ شدن حد شمع نیست　　　چہرہ شدن، مقابل ہونا، حد نیست یعنی مجال نہین،

گریبان ز شرم رفت و سر خویشتن گرفت	سر خویشتن گرفت، اپنی راہ لی
از دلستان برو د ہر کہ سبق روشن کرد	سبق روشن کرد، سبق یاد کر لیا،
ع، دشمن خود را چرا کس این قدر پہلو دہد	پہلو دادن، پہلو بچانا،
رو نخواہم ساخت ہر صورت کہ خواہد رو دہد،	رو ساختن، منہ بگاڑنا، رو دہد، پیش آئے،
اُمید بوسہ ات چہ نمک داشت اے کلیم	چہ نمک داشت، یعنی اس مین کیا لطف تھا،
این شربت کم بہر دو بیمار نباشد	بہر حصہ، یعنی ایسا نہو کہ یہ تھوڑا سا شربت دو بیمارون کے لیے کافی نہو،
کہ کاہ ہم طرف کہربانی گیرد	طرف کسے گرفتن، اس کی جانب داری کرنا،
ع، بچشم روشنی داغہاے کہنہ روم	چشم روشنی، مبارکباد،
ع، شام خورشد روزہ امید را وا می کنم	روزہ وا کردن، روزہ کھولنا،
چون حباب از دام ہستی پس دہم خندان شوم	دام واپس دادن، قرضہ ادا کر دینا،
عجب پیرے کہ می مالد جوان را	مالیدن، پچھاڑنا،
یک زبانم من و نمی گویم سخنے را کہ پشت درو دارد،	پشت درو داشتن سخن، یعنے دو رُخی بات،
پیالہ چشم تو روشن کہ بادہ پیدا شد	چشم تو روشن، دعا کے موقع پر استعمال کرتے ہین،

اب ہم کلیم کی دو تین غزلین پوری پوری اس موقع پر درج کرتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ اسکا اکثر کلام یکدست اور ہموار ہوتا ہے، اسکے ساتھ اسکے عام لطف بندش

جدت ادا اور خوبی زبان کا اندازہ ہوگا،

پیری رسید، و مستیِ طبعِ جوان گذشت　　ضعفِ تن از تحمّلِ رطلِ گران گذشت
وضعِ زمانہ، قابلِ دیدن دوبارہ نیست　　رُو پس نہ کرد، ہر کہ ازین خاکدان گذشت
از دست بُردِ حُسنِ تو بر لشکرِ بہار　　یک نیزہ خونِ گُل، ز سرِ ارغوان گذشت
طبعے بہم رسان کہ بسازی بعالمے　　یا ہمتے کہ از سرِ عالم، توان گذشت
در کیشِ ما تجرّدِ عنقا تمام نیست　　در فکرِ نام ماند اگر از نشان گذشت
بے دیدہ راہ اگر نتوان رفت، پس چرا　　چشم از جہان چو بستی، ازو می توان گذشت
بدنامیِ حیات، دو روزی نبود بیش　　آن ہم کلیم با تو بگویم، چسان گذشت
یک روز، صرفِ بستنِ دل شد باین و آن　　روزِ دگر، بہ کندنِ دل زین و آن گذشت

نہ ہمین می رمد آن نو گلِ خندان از من　　می کشد خار، درین بادیہ دامان از من
با من آمیزشِ او، الفتِ موج ست و کنار　　دمبدم با من، و ہر لحظہ گریزان از من
گرچہ مورم ولے آن حوصلہ با خود دارم　　کہ پہ بخشم، بود ار ملکِ سلیمان از من
بہ تکلم، بہ خموشی، باشارت، بہ نگاہ　　می توان برد بہر شیوہ دل آسان از من
قمریِ ریختہ بالم، بہ پناہِ کہ روم؟　　تا بکے سرکشی اے سروِ خرامان از من
نیست پرہیزِ من از زہد کہ خاکم بر سر　　ترسم آلودہ شود دامنِ عصیان از من
اشک بیہودہ مریز این ہمہ از دیدہ کلیم　　گردِ غم را نتوان شست بطوفان از من

از ثبات عشق، دایم پا بدامن داشتم
همچو داغ لاله، در آتش نشیمن داشتم

شعله بر می خاست از بیطاقتی و می نشست
من نه جنبیدم ز جا تا جا بگلخن داشتم

کے بهر نامحرمے، چاکِ جگر خواهم نمود
من که زخمش را نهان از زخم سوزن داشتم

هیچ گه، ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت
دانه می چیدم من آن رونے که خرمن داشتم

روشنی از بزم من، در یوزه می کرد آفتاب
در چراغ عیش تا از باده روغن داشتم

همچو ماهی غیر داغم، پوشش دیگر نبود
تا کفن آمد همین یک جامه بر تن داشتم

داغ را جز بر کنار زخم ننهادم کلیم
دیده را بر رخنهٔ دیوار گلشن داشتم